The Late Allama Akbar Mashi

To view the Arabic text, you will need to have the Traditional Arabic font on your computer.

قرآنی آیات کو بہتر طورپر دیکھنے کے لئے آپ کو عربیک ٹریڈیشنل فونٹ کو ڈاؤن لوڈ کرنا ضروری ہوگا۔

سلک مروارید

THREAD OF PEARLS

By

The Late Allama Akbar Mashi

A Reply To Objections of Mirza Ghulam Ahmed Qadiani

سلک مروارید

(حصہ اول)

یعنی

سلطان القلم جناب اکبر مسیح صاحب مرحوم

وہ مضامین جو رسالہ تجلی۔ لاہور میں مسلسل نکلتے رہے اوراب وہ بہ

اجازت پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

آغا شہباز خاں سیالکوٹی

نے مناسب ترمیم کے بعد کتابی صورت میں شائع کئے

1928

www.muhammadanism.org
(Urdu)
August.2.2005

ہدیہ نیاز

میں اس رسالہ کو انتہائی خلوص اور محبت کے ساتھ

کلیسیائے ہند کے فخریہ اور فاضل مصنف کے والد بزرگوار

مرحوم

پادری مولوی عبدالعلی صاحب

(ایس ۔ پی ۔ جی مشن باندہ)

کی یادگار میں

مسیحی مناظرین اور مسلم محققین کی خدمت

میں پیش کرتا ہوں

ع۔ گر قبول افتدز ہے۔ عزو شرف

احقر

ناشر رسالہ ہذا

فہرست مضامین

دیباچه

ہندی نژاد مسیحیوں میں اگرآج اہل قلم کا شمارکیاجائے تو بہت ہی کم ملینگے لیکن ایک دوران پر بھی ایسا گذرا ہے کہ جس کی یاد ہمیں خون کے آنسو رلاتی ہے۔ جب علم کاچرچا تھا۔ ہنر کی قدر تھی ۔ کچھ لوگ تھےجنہوں نے علمی اورمذہبی دنیا پر بڑااحسان کیا۔ مگر وہ گذرگئے ۔ اورانکے ساتھ ہی رونق۔بازاربھی جاتی رہی۔ وہ چمکتے ہوئے چراغ تھے کہ دنیائے علم کوانہوں نے منورکردیا ۔ان کےسینوں میں بجلیاں تھیں۔ ان کے دلوں میں غیرت تھی۔ ایمان تھا۔ ان کے کلام میں لذت تھی۔ تحریرمیں جادو تھا۔ تحقیق کا شوق تھا اورتصنیف کی آرزو ۔ ان کی تصنیفات نے قبول۔ عام کی سند حاصل کی۔ہندوستان کاکوئی مذہبی دلچسپی رکھنے والا خواندہ شخص نہ ہوگا جوان سے واقف نہ ہو۔ جوکچھ انہوں نے لکھا محنت سے لکھا ۔ تحقیق سےلکھا اور ایسی زبان میں لکھا جو شیرینی میں قنداوراثرمیں پتھروں کو گدازکردینے والی ہے۔

زانجملہ ایک اکبرمسیح گذرا ہے جسے اگرسرتاج مناظرین کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے کیونکہ مناظرہ کے شطرنج میں جو چالیں اس مناظر کوسوجھیں اورسوجھتی تھیں وہ اسی کاحصہ تھیں۔ مخالف کے اقوال کو جمع کرنا اوران میں سے چھوٹے چھوٹے فقروں بلکہ لفظوں کو چن لیا اورپھر اپنے عدیم المثل فن سے انہیں ربط دے کر ایسا رقعہ بررقعہ دوختہ مسلسل کلام پیدا کرنا کہ دشمن کومات مانتے ہیں بن آتی تھی ایک ایسا بے نظیر اورلطیف کام تھا جواسی قادر الکلام کے قلم سے خاص تھا۔

اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ جوکتابیں وہ اسلام پرلکھ گیا ہے وہ اپنی عظمت اورجلالت میں اپناثانی نہیں رکتھیں۔ تنویر الاذہان فی فصاحت القرآن اکیلی ایک ایسی کتاب ہے

جس کے لئے تمام مسیحی دنیا کو **اکبر مسیح** کا احسان مند ہونا چاہیے۔ جب سے محمدی اور مسیحی مناظرہ کا بازار گرم ہے اس وقت سے لے کر آج تک کسی اس مضمون پر ایسی کتاب نہیں لکھی اور نہ کوئی ایک مدت تک لکھ سکیگا۔ **ضربت عیسوی** کو دیکھو کہ کس طرح مرزا ے کے قافئے تنگ کئے ہیں۔ اس کے دل دادہ کبھی کبھی تعلی کی لے کر اسے بادشاہ قلم کہہ بیٹھتے ہیں لیکن اس کے کلام اور ہمارے سلطان القلم کے کلام کا ذرا مقابلہ کرو تو بے ساختہ بول اٹھو گے ۔ ع چہ نسبت خاک را عالم پاک"۔ یہ کتاب ۱۹۰۴ء میں مرزا کے حین حیات میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی۔ مناسب تو یہ تھا کہ مرزا صاحب خود اس کا جواب لکھ جاتے مگر نہ تو آپ کو نہ آپ کے کسی مرید کو اس کی تردید میں قلم اٹھانے کی ہمت ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن فروخت ہورہا ہے ۔ اور کتاب مذکور بدستور لاجواب پڑی ہے ۔ " تاویل القران ، ینابیع السلام ، تالیف القران ، منارہ البیضادیہ بھی مرزائے قادیانی کے دعوٰی مسیحیت کے رد میں ہے)۔ اور" زندہ جاوید بائبل یا وید " آپ کی آخری تصنیف کہ جس نے آریوں کے پتے پانی کردئے ایسے اعلیٰ پایہ کے کارنامے ہیں جو تاقیامت زندہ رہینگے۔

ناظرین ! یہ اکبر مسیح کون تھا ؟ ایک سرکاری ملازم تھا اور سیدنا وآقا ومولا مسیح کا سچا عاشق تھا۔ جس نے مذہب کی خدمت میں اپنا تن ، من، اوردھن سب ہی کچھ قربان کردیا۔ آہ ! آج وہ رئیس المتکلمین ہم میں موجود نہیں۔ وہ آسمانِ صحافت کا ایک درخشندہ ستارہ تھا کہ ڈوب گیا۔ اس نے اردو کے کالبد میں زندگی کا دم پھونکا۔ خشک مذہبی مسائل میں نمکینی وملاحت ڈال دی۔ جس مضمون پر لکھا۔ بس قلم توڑ دیا اور مخالف وموافق کسی کے لکھنے کی گنجائش نہ چھوڑی۔ مسلمانوں میں جو سرسید احمد اورشبلی نعمانی ہو گذرے ہیں۔ ان کا ہمعصر اوران کا جواب تھا۔ بلکہ عیسائیوں کا علامہ شہرستانی

اورامام رازی اسے کہنا واجب ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہاں جس قدر قحط الرجال ہے ۔ جتنا علم کا بازار سرد اور کسادِ ہنر ہے۔ اتنی ہی ناقدر شناسی کی ارزانی وفراوانی ہے۔ کاش مسیحیوں میں نقاد ِسخن ہوتے ۔ علم دوست ہوتے جواس کے بہار آفرین اورگوہر ریز قلم کے ترشح کو نوادرروزگار تصورکرتے ۔ اس کے سخن کو موتیوں میں تولتے اورجواہرات میں روتنے۔ مگر ہائے جگر خون ہوا جاتاہے۔ دل کو ایک چوٹ لگتی ہے اورروح کو بے حد اذیت ہوتی ہے کہ ہم میں کوئی ان باکمال ہستیوں کا قدر دان نہیں۔

مدت سے ہماری آرزو تھی کہ عیسائیوں کا وہ مشہور پرچہ تجلی ۔ جس کی ظلمت پاش تجلیوں نے اس بادیہ کفر میں بہت عرصہ تک ضیا باریاں اورنورافشانیاں کی جس کے وجود کی بدولت مذہبی تعصب اورجہالت اورناواقفیت اورتنگدلی بہت حد تک جاتی رہی اوروسیع نظری ، فراخدلی ، بلند حوصلگی ، تحقیق اوررواداری نے رواج پایا۔ اس پرچہ میں جو سلطان القلم حضرت اکبر مسیح مرحوم کے مضامین چھپے تھے اورآج تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے انتخاب کرکے چھوٹے چھوٹے رسائل کی صورت میں شائع کئے جائیں۔ یہ گوہر ِنایاب ہیں۔ علم ادب کے خزینے ہیں اور بیش بہا مذہبی معلومات کے گنجینے جواہرات ہیں جو کوڑیوں کے دام مل سکتےہیں اورہماری دلی تمنا ہے کہ ہر مسیحی اورغیر مسیحی ان سے متمتع ہو۔ مضامین نہایت ہی دلچسپ اورپُرکیف ہیں اورہمیں اُمید ہے کہ ان کی بدولت بہت سی غلط فہمیاں دورہوکر برادران اسلام ہم مسیحیوں کے نزدیک ترین ہوسکینگے اور حقیقت بے نقاب ہوجائیگی۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں خریدیں اورٹھنڈے دل سے ان کا مطالعہ کریں کہ فی الفور الواقعی آنکھوں کو کھول دینے والے ہیں بلکہ ہر شخص جو حق پسند ہے اور سچائی کو دوست رکھتا ہے ان

میں بے انداز لطف پائیگا۔ مسیحیوں کے لئے بالخصوص ان رسائل کی خریداری لازم ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ انکا بارود سکہ ہیں ۔ ان کے بہترین اسلحہ جات، ان کی زرہ بکتریں ہیں۔ ان کی ڈھالیں اوران کی تلواریں ہیں۔ کھنچی ہوئی اور برہنہ تلواریں ہر ایک سیدنا مسیح کا سپاہی ہے سربکف اورجاں بازسپاہی ۔ اورسپاہی کو بغیر ہتھیار کے رہنا قرین دانش نہیں۔ اگر مسیحی زندہ ہیں تو انہیں اپنے لٹریچر کو زندہ رکھتا ہے۔

ناظرین کرام کی دلچسپی اورضیافت طبع کے لئےجناب مرحوم کا فوٹو بھی شامل رسالہ کیا جاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جن صاحبان کو اس شاہ قلم کو شبہ مبارك کی زیارت پہلے نصیب نہ ہوئی تھی اس سے بدرجہ کمال لطف اندوز ہونگے۔ ہم بزرگ مسز طالب الدین صاحبہ کے مرہون منت جنہوں نے بلاك کی تیاری کے لئے ہمیں اصل تصویر مستعارفرمائی۔

احقر

ناشر کتاب ہذا

سیدنا مسیح کی دعا اورسورہ فاتحہ

اگر کوئی چاہے کہ دنیا کی مقدس کتابوں سے ایک ایسی دعا چھانٹ کرنکالے جو بنی آدم کی اعلیٰ روحانیت کے تقاضا کو پورا کرے۔ ان کےمذہبی جذبات کی پاک ترین آرزوؤں کا جواب ہو۔ ایسی کہ جب کوئی ایک بندہ خدا اس کوپڑھے تو سب لوگو جن کے دل اپنے خالق کی طرف سیدھے ہیں جوحق کو خدا کی ملک اوراپنا ورثہ سمجھتے ہیں اس کے ساتھ بلاتامل آمین بول اٹھیں ،یعنی کوئی عالمگیر دعا جو فرقہ بندی ، مخالفت اورتفرقہ کو مٹاسکے جس کے الفاظ میں سب اپنی عبودیت اورباہمی برادرانہ مساوات اور خدا کی ربوبیت کا ایک سامزہ پائیں اورسوائے حق اللہ اورحق العباد کے کوئی شے ان کی آنکھوں میں باقی نہ رہے جس کے باعث وہ خدا کو سب کاآقا اورباپ مانیں اور تمام بنی نوع انسان کو اپنا بھائی ۔ کوئی ایسی دعا جس کے ذریعے سب کی روح کی آرزوئیں ایک ہی الفاظ میں دفعتہ آسمان کی طرف چڑھ جائیں جس طرح بخوریا لوبان کا دھواں اوپر چڑھتا ہے تو اس کو دو دعائیں ایسی ملینگی اور دونوں حسن اتفاق سے سامی قوموں کے دینی تجربہ کا نتیجہ ہیں۔

ایک سیدنا مسیح کی دعاانجیل میں اور دوسری فاتحہ قرآن میں ۔ پہلی عیسائیوں کی عباد ت کا جزو اعظم ہے ان کی کوئی نمازایسی نہیں جس میں یہ نہ پڑھی جائے ۔ ان کا کوئی بچہ نہیں جس نے اپنی ماں کی گود میں دعااس کو سیکھا نہ ہو گویا عیسائیوں کی نماز پوری نہیں ہوسکتی جبتک وہ یہ دعا بھی ایک یا کئی بارنہ پڑھ لے۔ عبادت کا شروع اورعبادت کاآخر اورعبادت کا اوسط یہی دعا ہے۔ عیسائی عبادت کاگویا محیط اورمرکز۔

دوسری مسلمانوں کا وظیفہ ہے جو نماز میں بتکرار پڑھی جاتی ہے۔ اورجو رتبہ عیسا ئیوں کے درمیان سیدنا مسیح کی دعا ہے وہی مسلمانوں کے درمیان اس الحمد یا فاتحہ کا ہے۔ اوربجز نا فہمی یا قومی اورمذہبی تعصب کے کوئی امر مانع نہیں کہ کیوں فاتحہ کو عیسائی قبول نہ کریں۔ اورسیدنا مسیح کی دعا کو مسلمان ۔ میں تو دونوں کو پڑھتا ہوں مجھ کو دونوں محبوب ہیں۔ مجھ کو دونوں میں لطف آتا ہے بلکہ سیدنا مسیح کی دعا کی نسبت مجھ کو یہ کہتے کہ عیسائیوں کی دعا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اس کی حق تلفی کرتاہوں وہ دعا نہ عیسائی کی ہے نہ یہودی کی ہے نہ ہندو کی نہ مسلمانوں کی وہ روح کی دعا ہے۔ ہر ملت و ہر مذہب کے خدا کے بندوں کی اور ہم اس کو عیسائی دعا صرف اسی معنی میں کہ ہ سکتے ہی جس میں مقدس جسٹن شہید نے کہیں کہا ہے ۔ اے روح تو فطرتا عیسائی ہے یعنی تمام ایماندار عیسائی ہیں۔

الحمد کو مسلمان فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ انکے نزدیک فاتحہ الکتاب ہے۔ قرآن شریف کی پہلی سورہ۔ مگر وہ فاتحہ الکتاب بعد کو بنی ۔ جب کتاب لکھی گئی۔ جب سورتیں ترتیب دی گئیں۔ اوراس میں بھی جھگڑا بکھیڑا ہوتا رہا ۔ کیونکہ جو سب سے اول درجے کے مجتہد تھے۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود انہوں نے تو اس کو قرآن سے بالکل خارج کردیا تھا اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اس کو کہیں جگہ نہ ملی تو اس کو شروع میں ڈال دیا۔ مسلمان اس تحقیق میں لگ گئے کہ کب نازل ہوئی کہاں ہوئی ۔کسی نے کہا مکہ میں کسی نے مدینہ میں کسی نے کہا دونوں جگہ،اورکسی نے یہ آدھی مکہ میں اورآدھی مدینہ میں۔ اورہم کو حق ہے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ نہ مکہ میں نازل ہوئی نہ مدینہ میں وہ ان زمانوں سے پہلے کی ہے اورحق کی جستجو کی طرح پرانی اوربہت پرانی ہے۔ اس وقت کہ جب صنم خانہ تن سے ہجرت کرکے حرم جان کی طرف انسان

آنے لگا۔ قرآن شریف کی تاریخ میں تو یہ امر مسلمہ ہوگیاکہ اقراء باسمه ربك الذی خلق سب سے پہلے ہے۔ مگر میں اس کو قرآن سے علیحدہ فاتحہ اس لئے سمجھتا ہوں کہ وہ روحانیت کی پہلی سیڑھی ہے ۔ جب بندہ کے دل میں ایمان درآتا ہے۔ جب وہ اپنے خدا کی کھوج میں لگتا ہے۔ اوراپنی آرزوؤں اورتمناؤں کی اصلاح کرکے اپنے خدا کی بارگاہ میں آنا چاہتا ہے تو اس بارگاہ میں داخل ہونے کا یہ پہلا دروازہ ہے جو اس کو طے کرنا پڑتا ہے۔ جب ایسی حالت انسان کی ہوتی ہے تو اس وقت جوکچھ اس کی روح اورقلب پر وارد ہوتا ہے اس کی کیفیت بجنسہ وہی ہوتی ہے جس کو فاتحہ کے الفاظ میں کہ ادا کیا ہوا ہم پاتے ہیں یا عیسائی اصطلاح میں ہم یہ کہیں کہ مسیحی مسافر کی یہ پہلی منزل کا سفر ہے جو کسی نیک ساعت سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی روحانی سفر میں یہ سالك کا پاتراب ہے۔ یہ وہ تجربہ ہے جو روح کو پیش آتا ہے۔

اهدنا الصراط المستقیم ۔ اس ساری سورہ میں بس صرف اتنی ہی دعا ہے س سے زیادہ کچھ نہیں۔ ساری سورہ کے اجزاء پر غورکرو تو اس کی کیفیت اسی قدر ہے کہ جس طرح کوئی شخص کسی کی درگاہ پر امید سے بھیك مانگنے جاتا ہے تو وہ اس کی تعریف کرتا ہے ۔ کہتا ہے کہ ہم آپ کا نام سن کر آئے ہیں کہ آپ بڑے سخی ہیں ۔غریب پرورہیں۔ ہم آپ ہی کے درپر آئے ہیں آپ ہی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں ہمارا یہ سوال ہے اس کو پوراکردیجئے۔

الحمد الله رب العالمین ۔ الرحمن الرحیم ۔ ملك یوم الدین ۔ یہ کلمات ندائیہ ہیں جس سے خطاب شروع ہوا۔ ایاك نعبدو وایاك نساتیعن اس فریاد ہےکہ سوائے تیرے درکے ہمارا ٹھکانہ کہیں نہیں۔اهدنا الصراط المستقیم یہ سوال ہے۔ ایك ہی سوال جو متلاشی حق کے دل کی پکار ہے۔ صراط الذین انعمت علیم ۔ غیر المغضوب علیم والا ضالین ۔ یہ اسی صراط کی تعریف ہے۔ مسلمان اس کو

سبع مثانی کہتے ہیں قرآن کی اصطلاح میں اوراس کو قرآن عظیم بھی کہا ہے اورخوب کہا ہے گویا یہ مذہب یعنی راہ دین کاپاس پورٹ ہے یا پروانہ زاہداری۔

سالک کی یہ پہلی منزل ہے ایماندار کی ابتدائی حالت کا نقشہ اس کی باطنی اورسچی آرزوؤں کا تقاضا ۔ خدا کی درگاہ پر الحمد روحانی دق الباب ہے۔ جو اس کو دل سے بار بارپڑھتا ہے وہ گویا سیدنا مسیح کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے کھولا جائیگا۔ پس الحمد کیسے اچھے معنوں میں فاتحہ ٹھیرا۔ ہم نے کہا کہ متلاشی حق کے لئے فاتحہ ابتدا ہے جب وہ ایک چوراہے پرکھڑا ہوکر نہیں جانتاکہ کس طرف منزل مقصود ہے اورقدم اٹھاتے ہوئے تامل کرتا ہے۔

اور اگر ہم قرآن کی ایک آیت کے الفاظ یہاں پر چسپاں کریں توگویا اقدی نری تقلب وجہد فی السماء فلنو لیند قیلہ ترصنہا کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ۔ بندہ ڈانوا ڈول چاروں طرف آسمان میں نظر دوڑاتا ہے نہیں جانتا صراط کدھر ہے ۔ مگر اس کی امید بندھتی ہے کہ خدا تجھ کو راہ پر لگادیگا۔ جس سے میرا دل شادہوگا۔ الحمد اللہ اسی وقت کی دعا ہے۔

پر جب وہ راہ پاچکا بلکہ اس کا شمار سالکان طریقت میں ہوگیا۔ اورالحمد کی برکتیں اس میں پھولنے پھلنے لگیں تو اس وقت کے روحانی مدارج کے لحاظ سے جہاں تک اس کے عرفان کی ترقی ہوچکی اس کا اقتضا سیدنا مسیح کی دعا کے الفاظ میں پوراہوتا ہے۔ الحمد میں نفسی نفسی کی صدا ہے۔ انعمت علیم کی حالت پر رشک اوران میں ملنے کی آرزو اورغیر المغضوب علیم والا الضالین میں گمراہوں کے درمیان سے خدا کے غضب سے ڈرکربھاگنے اوراپنی جان بچالینے کی تمنا۔پس الحمد والا تو "گلیم خویش بدرمیبر دز موج"۔ اورسیدنا مسیح کی دعا والا"۔ جہد میکند کہ بگیر د غریق " پہلے میں خدائے قہارکا ڈرہے۔ دوسرے میں باپ

رحمن کے امن کا مشاہدہ اوریہ خواہش کہ ساری دنیا ہمارے ساتھ اس فضل میں شریک ہوجائے۔ پہلی کو ہم مبتدی کی دعا کہتےہیں دوسری کو منتہی کی۔ روحانی سفر کے یہ دوالف دیا ہیں اوراول باآخر نسبتے وارد۔ الحمد کی سات آیتیں ہیں اوران میں صرف ایک درخواست ہے اور بہت بڑی درخواست ہے۔ جو صرف بندے کے منہ سے نکل سکتی ہے اورصرف خدا کی درگاہ میں کی جاسکتی ہے ۔ سیدنا مسیح کی دعا بھی بہت ہی مختصر ہے اوراس میں بجائے ایک درخواست کے سات درخواستیں ہیں جو مومنین کالمین کی انتہائی آرزوئیں ہیں نہایت ہی مانع وجامع حق العباد وحق اللہ پر محیط اوران پر شامل فاتحہ اورسیدنا مسیح کی دعا ایک ہی دل سے نکلیں ایک ہی درگاہ میں گذرانی گئیں۔ کوئی سیدنا مسیح کی دعا کو نہیں پڑھ سکتا ہے جو فاتحہ نہ پڑھ سکتا ہو اورکوئی ایمان سے فاتحہ نہ پڑھیگا مگرآخر اس کو سیدنا مسیح کی دعا بھی پڑھنا ہوگی بلکہ میں کہتاہوں کہ وہ ایماندار بھی جنہوں نے ایک لفظ فاتحہ کا اپنے منہ سے نہیں نکالا اورنہ ایک کلمہ سیدنا مسیح کی دعا کا وہ بھی روحانی طور پر دونوں پڑھتے رہے ہیں۔ الحمد پڑھتے ہوئے جب صراط المستقیم میری زبان سے نکلتا ہے تو فوراً مجھے وہ یادآجاتا ہے جس نے فرمایا تھا۔ راہ اورحق اورزندگی میں ہوں۔ اورجب انعمت علیم تو قرآن کا فرمودہ قال یا عیسی بن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والمد تلک

اے ہمارے باپ! خدا کو باپ کہہ کرپکارا ہے۔ اس خطاب مینہر خدا کورب بھی مانا رحیم بھی رحمان بھی۔۔۔ باپ ہوکر وہ تمام عالم کا خالق ہوا یعنی رب العالمین اور باپ ہوکروہ رحیم ورحمان اوراس سے بھی کچھ زیادہ ہوا۔

جو آسمان پر ہے! آسمان کو خدا کے نام سے مخصوص کرنے میں ایک لطافت ہے۔ خدا کو بادشاہ مانا گیا اورآسمان کو اس تقدس تعالیٰ کا عرش کہا گیا چنانچہ

اس کو قرآن میں کبھی رب العرش العظیم (نمل ع ۳) کہا کبھی رفیع الدرجات ذوالعرش (مومن ع ۲)

تیرا نام پاک مانا جائے! اگر عالم موجود نہ ہوتے انسان وفرشتہ عدم میں رہتے توبھی خدا خدا ہوتا اور قدوس ہوتا مگر اس نے اپنے تئیں ظاہر کرنے کے لئے عالم بنائے ارواح کو پیدا کیا کہ اس کو پاکی کے ساتھ یاد کریں۔ مگرافسوس ان الانسان لظلوم کفار(ابراہیم ع ۵) انسان بڑا ہی بے انصاف وناسپاس نکلا۔ قتل انسان مااکفرہ (عبس) مارا جائے انسان کیسا ناسپاس ہے۔ ہاں اس کی تقدیس کا حق فرشتے بجالائے انہوں نے اپنے رب سے بھی عرض کیا۔ نحن نسبح بحمد ک ونقدس الک(بقرہ ع ۴)۔

ہم تیری حمدوستائش کرتے ہیں۔ ہم تیرے نام کی تقدیس کرتے ہیں۔ جب انسان کی ناشکری کو اورفرشتوں کی تسبیح وتقدیس کو راستباز یاد کرتے ہیں توکیسی ان کےدل میں آرزو پیداہوتی ہے کہ کاش ہماری زمین آسمان بن جائے۔ اورکاش ہم سب ملاء اعلیٰ کے ساتھ ایک زبان ہوکر اس پاک نام کی تقدیس کرنے لگیں ۔انسان کی ناشکری نے گویا زمین کو خدا کی تقدیس سے خالی کردیا ہے۔ کیونکہ ہر طرف گالی گلوج ہے کفروشرک وبدعت کی منادی ۔ لعنتوں کی بوچھاڑ ، عناد وتعصب کی باتیں ہیں۔ اب توآسمان ہی ایک جاہے۔ جہاں صرف تقدیس کے سوا اورکوئی بات نہیں لاتسمع فیہلا غیتہ (غاشیہ) جہاں کوئی بیہودہ سخن سنائی نہیں دیتا۔ پس ایماندار کی دعا یہ ہے کہ وہ سب باتیں مٹ جائیں جن سے باری تعالیٰ کی تقدیس وتمجید میں خلل پڑتا ہے۔

تیری بادشاہی آئے! یہ آرزو کہاں سے پیدا ہوئی ؟ زبان سے لوگ خدا کی بادشاہی کا اقرارکرتے ہیں مگردوسرے دوسرے بادشاہوں کی رعیت بنے ہوئے ہیں۔ وہ گناہ کے غلام ہیں شیطان کی رعیت ۔ بادشاہی مشترک ہورہی ہے دنیا کے باجداروں میں بٹی ہوئی ۔ کوئی پیٹ پوجا کرتا ہے

کوئی شہوت پرستی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلق حقیقی بادشاہ سے باغی ہوکر جھوٹے بادشاہوں کے مطیع ہوگئی۔ پس جب تک یہ مخالفت ی دو عملی مٹ نہ جائے اس وقت تک خدا کی بادشاہی آنکھوں سے اوجھل رہیگی۔ مگرایک دن آتا ہے اوریہاں اسی دن کے ظاہر ہونے کی دعا مانگی گئی کہ جب علانیہ یہ کہا جاسکے الملک یومذن الحق الرحمن (فرقان ع ۳) آج کے دن سچ مچ بادشاہی خدائے رحمن کی ہوگئی۔ واله املک یوم ینفخ فی الصور(۔انعام ع ۹) اورجس دن صور پھونکا جائے بادشاہی خدا کی ہوجائیگی ۔ پس دعا اس کی جناب میں یہ ہے کہ قبل اس کے کہ دنیا فی مٹ جائے اس کے بسنے والے خدا کی بادشاہی کو قبول کرکے اسکی اطاعت وفرمانبرداری کا مزہ حاصل کرلیں۔ یہ وہ بادشاہی ہے جس کے اہل کتاب منتظر ہیں۔ یہود ، عیسائی ومسلمان ۔ جس کا پورا ظہور نزول مسیح اللہ پر ہوگا۔

تیری مرضی جیسی آسمان پرپوری ہوتی ہے زمین پربھی ہو

یہ تومعلوم ہے کہ خدا کی پاک مرضی کے برخلاف انسان کیا کیا کرتارہتا ہے اس کے حکموں کو توڑتا ہے ۔ جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ کرتا ہے ۔ پس اس مخالفت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ زمین پراسکی مرضی پوری ہورہی ہے۔ ہاں آسمان میں فرشتے اس کی مرضی ضروربجالاتے ہیں کیونکہ ان کی نسبت یہ یقینی ہے یخا فون (ہم) من فوقہم ویفعلون مایو مرون(نحل ع ٦) وہ اپنے پروردگار سے جوان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اوربجالاتے ہیں جوحکم پاتےہیں لا یعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایو مرون۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی کسی حکم کی اوربجالاتے ہیں جو ارشاد پاتے ہیں۔

خدا کی مرضی کے خلاف دنیا میں ہر شخص کرتا ہے اورکرتا رہا ہے عصیان میں تمام بشر مبتلا ہیں پہلا آدم جو پیدا ہوا اس نے خدا کی مرضی کو توڑا عسیٰ ادم ربہ فغوریٰ پس دعا

ہے کہ خدا کی مرضی جس طرح آسمان پر پوری ہوتی ہے اسی طرح زمین پر بھی پوری ہونے لگے اوراس دعا کا معلم وہ آدم ثانی ہے۔ جو فرماتا ہے " میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی ہو"۔ میں ہمیشہ وہ کام کرتاہوں جو خدا کو پسند آتے ہیں"۔

ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے۔ طلب رزق اوراس کی بحشش کا شکریہ واجبات سے ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم باصرار سمجھایا تھا فا بتغوا عند اللہ الرزق واعبد وہ واشکر واللہ (عنکبوت ع ۲) پس اللہ کی درگاہ سے رزق طلب کرو اوراس کو پوجو اوراس کا شکریہ بجا لاؤ۔ پس رزق عبادت کا ایک جزو ہے۔ غنی وفقیر دونوں پر واجب ۔ یہ کس قدر انسان کے غرور کو توڑنے والا ہے۔ اس سے ہم کو یاد دلاتا ہے ۔ کہ

ع

درویش وغنی بندہ ایں خاک درادند

ہم کو یاد ہوجاتا ہے کہ جو افراط ہمارے گھر میں ہے وہ وہیں سے ہم کو ملی جہاں سے فقیر کی جھولی میں ٹکڑا ۔ اس روزی کے معاملہ میں آقا وغلام برابر ہیں وھم فی سواء (نحل ع ۱۰) پس جب ہم اپنی روز کی روٹی کے لئے ایک ہی کے آگے ہاتھ پسار کے کھڑے ہوتے ہیں تو ہماری زندگی میں مساوات آجاتی ہے یا قبرستان میں سب برابر ہوجاتے ہیں یا خدا کی درگاہ میں روٹی مانگتے ہوئے شاہنشاہ بروجہ شاہ جارج پنجم خلد اللہ ملکہ، بھی یہی دعا مانگتے ہیں۔ اور دنیا کے محتاج خانوں کے رہنے والے بھی یہی دعا مانگتے ہیں۔ علاوہ اسکے ہم کو اس میں قناعت سکھلائی گئی ہے۔ حرص سے بچنے کی تدبیر پیٹ کی روٹی جو ہماری روزانہ ضرورت کے لئے کافی ہے اس کو اپنا حق سمجھیں اوراگر یہ میسر آئے تو اس کا بھی بڑا شکرواجب ہے۔

پیٹ کی طرف سے کیسی کیسی آزمائشیں انسان کو پہنچتی ہیں ماؤں نے اپنے بچوں کا گوشت کھایا۔ عصمت

داروں نے اپنی آبرو کھوئی ۔ امینوں نے چوری کی سچ جھوٹ بولے۔ حتی کہ قرآن شریف کو اجازت دینا پڑی کہ اگر روز کی روٹی کسی کو نہ لے اوراس کی جان پر بن آئے تو وہ مردے کا گوشت کھالے اور سور کا بھی تاکہ جان بچ جائے۔ خدا کی پناہ ۔ پس ایماندار کو روزی کی طلب اپنے رازق سے واجب ہے۔ کیونکہ تنگی معیشت بہت بڑی آزمائش ہے جس میں انسان پڑسکتا ہے۔ قرآن میں لکھا ہے واماذاما بتلہ فقد علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن (فجر) جب خدا انسان کو آزماتا ہے اوراس کی روزی کو اس پر تنگ کرتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر ڈالا۔ کس خوبصورتی سے اسی مضمون کو امثال سلیمان کی کتاب میں ادا کیا ہے"۔ مجھ کو نہ کنگال کر نہ دولتمند ۔ پر میرے حال کے لائق مجھے خوراک دے تا نہ ہو کہ میں سیر ہوجاؤں اورانکار کرکے کہوں کہ خداوند کون ہے یا محتاج ہوکے چوری کروں اوراپنے خدا کا نام ناحق لوں (۳۰: ۹)۔

جس طرح ہم اپنے قصوروں کو معاف کرتے ہیں تو ہمارے قصور ہمیں معاف کر۔ اس میں اقرار ہے کہ جب تک ہم دوسروں کی خطاؤں کو معاف نہ کریں۔ جب تک ہمارا حساب کتاب اس کے بندوں کے ساتھ پاک نہ ہو ہم بھی خدا سے معافی کے طلبگار نہیں ہوسکتے ہیں۔ دیکھو یہ کلمات زبان سے نکالتے ہوئے مومن کا دل ہل جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ ان کلمات کو زبان سے نکالے وہ اپنے دل کے کونو میں ڈھونڈتا ہے کہ آیا کوئی خطا کسی کی ہے جو میں نے معاف نہیں کی عفو کی یہ تعلیم دین مسیحی سے مخصوص ہے۔ اوراس پر صرف خاصان خدا صاد کرسکتے ہیں۔

ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔ آزمائش ایتلا وفتنہ قدم قدم پر ہے حتے کہ انما اموالکم واولادکمہ فتنہ۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد بھی تمہارے لئے آزمائش ہیں (تغابن) خدا اپنے بندوں کو آزماتا ہے ۔ نبلو کمہ بالشر

والخیر فتنه ہم تم کو برائی اوربھلائی سے بطریق امتحان آزماتے ہیں(انبیاء ع ۲) مبارک ہو وہ حواس امتحان میں پاس ہو۔ مگر بڑی بڑی آزما ئیشوں میں انسان مبتلا ہوجاتا ہے۔ ھنا لك بتلی المرمنون وزلزلو لا شدید (احزاب ع ۱) آزمائے گئے ایماندار اورہلا ڈالے گئے بڑی شدت سے ۔یہاں سے اس آزمائش سے بچنے کے لئے دعا ہے کہ ہم آزمائش میں نہ پڑیں۔

بلکه برائی سے بچا۔ یعنی اگر ہم آزمائش میں ڈالے جائیں تو ہم کو فضل عطا ہو کہ اس سے سلامت بچ نکلیں برائی میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

کیونکہ بادشاہی اورقدرت اورجلال ہمیشه تیرا ہی ہے آمین۔ ہم بیکس ہیں۔ ہماری دعائیں ہماری بیکسی کااظہارہیں۔تو بادشاہ ہے تو قادرہے تو سب کچھ کرسکتا ہے تیرے درپرآکر ہم کسی طرح محروم نہیں پھر سکتے۔ ہم نے سب درچھوڑے تیرے درپر سجدہ میں پڑے ہوئے ۔ ایك نعبد وایاك نستعین۔

میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں ایسا کوئی نہ ہوگا جو خدا کے وجود کا اوردعا کی ضرورت کا قائل ہو اورپھر بھی وہ ان دعاوں پر حرف لاسکے۔ ہاں اگر کوئی شخص شیطان لعین سے بھی پوچھتا تو وہ بھی یہی جواب دیتا کہ"کاش مجھ کو اپنی دعا کی اجابت کے امکان کا یقین ہوتا تو میں بھی الحمد پڑھ کراھدنا الصراط المستقیم پکارا ٹھتا اورپھر سے کہتا ہواکہ " بادشاہی اورقدرت اورجلال تیرا ہی ہے "۔ اوراپنے خدا کی ربوبیت اوراپنی عبودیت کا اقرار کرلیتا"۔ مگر افسوس سے مجھ کو معلوم ہوا کہ ہمارے ملك ہند میں" ہندونئے نئے ومسلماں نئے نئے ۔ کچھ ایسے ہیں جوان دعاؤں کے حرف حرف پر اعتراض جمانے کی قابلیت پر فخر کرتے ہیں اورانکو مطلق شرم نہیں آتی کہ ہماری زبان سے یہ کیا گندگی نکلتی ہے۔ بعض ہندوان دعاؤں پر صرف اس لئے اعتراض

کرتے ہیں کہ یہ دعائیں غیر ہندوؤں کی کتابوں میں ہیں اورمسلمان سیدنا مسیح کی دعا پر اعتراض کرتےہیں۔کیونکہ وہ قرآن میں نہیں ۔ ہم کو نہیں معلوم آیا کسی عیسائی نے دعا کے اعتبار سے الحمد کو قابل اعتراض سمجھا۔ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ ہم عیسائیوں کی طرفداری کرتےہیں یا مسلمانوں کو الزام دینا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ باایمان مسلمانوں میں لاکھوں کو ہماری اس بات کا اعتبار نہ آئیگا کہ کسی مسلمان نے سیدنا مسیح کی دعا پر اعتراض کیاہو۔ اوروہ شاید یہ سمجھینگے کہ کسی نے خدا کو باپ کہنے پر اعتراض کیاہوگا اوراسی کو ہم دعا پر اعتراض سمجھتے ہیں اورہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں خفاہوکر وہ ہم سے یہ نہ پوچھیں کہ بھلا بتاؤ تو وہ کون شخص خسر الدنیا والاآخرہ ہے۔ جس نے مسلمانی کا دعویٰ کرکے اس دعا پر اعتراض کیا۔

سنو انسان کا تعصب اس کو ایسا اندھا کردیتا ہے کہ وہ آفتاب کو کانا توا کہنے لگتا ہے اورباطل کو حق اوراس کے برعکس ۔ ایک آریہ سےایرین اور سامی مذاہب کے متعلق کچھ گفتگو کے سلسلہ میں مجھے الحمد کا تذکرہ کرنا پڑا۔ وہ بولا الحمد کچھ نہیں ایک بڑی لچر اوربیہودہ بات ہے۔ سوامی جی مہاراج نے اسکا خوب کھنڈن کردیا ہے۔ اوربرہمچاری دھرمپاں جی (حال عبد الغفور) فرماتے ہیں کہ اس کو بجائے ام الکتاب کے ام لکپاپ کہنا چاہیے۔ اس تقریر کا جو نتیجہ ہوا وہ ہوا مگر ناظرین کی تفریح کے لئے میں ان اعتراضوں کو یہاں نقل کئے دیتاہوں ۔ جوجواب کے محتاج بالکل نہیں۔ سیتارتھ پرکاش میں ہے ۔" الحمد اللہ رب العالمین ۔ الرحمن الرحیم۔اگر قرآن کا خدا کل جہان کا پروردگار رحمن ورحیم ہوتا تو اور مذہب والوں اور جانداروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے مروانے کا حکم نہ دیتا اگر وہ رحمن ہے تو گنہگاروں کو بھی بخش دیگا۔ اوراگر

ایسا ہے تو اس کا حکم کہ کافروں کو یعنی ان کو جو قرآن اور پیغمبر پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ قتل کرو۔ کیوں نازل ہوتا ہے ۔پس ثابت ہوا کہ قرآن کلام اللہ نہیں۔

ملك یوم الدین ایاك نعبد وایاك نستعین اهدنا الصراط المستقیم ۔کیا خدا ہمیشہ انصاف نہیں کرتا ؟کسی ایک خاص دن انصاف کرتا ہے؟ یہ تو اندھیر کی بات ہے۔ اسی کی بندگی کرنا اوراسی سے مدد لینا تو ٹھیک ہے۔ لیکن کیا برا کام کرنے میں بھی اس کی مددمانگنی چاہیے۔ اورسیدھا راستہ کیا مسلمانوں ہی کا ہے اوروں کا نہیں۔ اورسیدھے راستے پر مسلمان کیوں نہیں چلتے ؟ کیا ان کا سیدھا راستہ برائی کی طرف تولے جانے والا نہیں ؟ اگر اچھی باتیں سب مذاہب میں مشترک ہیں توپھر مسلمانوں میں کچھ خصوصیت نہیں اور اگر اچھی باتیں نہیں مانتے تو ثابت ہوا کہ وہ متعصب ہے۔

صراط الذین انعمت علیم غیر المغضوب علیم والاالضالین ۔ جب مسلمان تناسخ اورپہلی پیدائش کے نیک وبداعمال کو نہیں مانتے تو بعض پر رحمت کرنے سے اور بعض پر نہ کرنے سے خدا طرفہ ٹھیرتا ہے ۔ کیونکہ سوائے نیک وبد اعمال کے آرام اورتکلیف دینا بالکل بے انصافی ہے اوربلاوجہ کسی پر مہربانی کرنا اورکسی سے نفرت کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے خدا یوں ہی مہربانی یا نفرت نہیں کرسکتا اورجب انسان کے پہلے جنم کے اعمال ہی نہیں۔ توکسی پر مہربانی کرنا اورکسی سے نفرت کرنا نا ممکن ہے۔ ۔۔۔عربی میں قرآن نازل کرنے سے صرف باشندگان عرب کے لئے اس کا پڑھنا آسان اورغیر ممالك والوں کے لئے مشکل ہے اوراس سے خدا طرفہ ٹھیرتا ہے"(ترجمہ رادھاکشن مہتہ مطبوعہ سمیت ۱۹۵۴صفحہ ۶۸۰، ۶۸۱)۔

جب الحمد پر میں نے اس قسم کے اعتراضات سنے تو میں نے جاننا چاہا آیا مہارشی دیا نند نے سیدنا مسیح کی

دعا پربھی کچھ طبع آزمائی فرمائی۔ اوریہ معلوم کرکے کہ وہ اس پرایک یا دواعتراض سے زیادہ نہ کرسکے مجھ کو تعجب بھی ہوا اوراطمینان بھی۔

چنانچہ متی کی انجیل پر جو آپ کے مسلسل اعتراضات ہیں ان میں " ہماری روزکی روٹی آج ہمیں دے "۔ پرآپ فرماتے ہیں " اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانے میں عیسیٰ پیدا ہوا تھا اس وقت لوگ جنگلی اورمفلس تھے اورعیسیٰ بھی ایسا ہی تھا تب ہی تو صرف دن بھر کی روٹی حاصل کرنے کے لئے خدا سے دعامانگتا ہے"۔ صفحہ ٦٤٨ ہم اس اعتراض کی داد دیتے ہیں کیونکہ اس میں اس پر اعتراض نہیں کہ عیسائی روزکی روٹی کیوں مانگتے ہیں بلکہ اعتراض اس پر ہے کہ وہ پیٹ بھرنے کے وہ تمام سامان کیوں نہیں مانگتے جس کی کسی متھرا کے چوبے کو آرزو ہوتی ہے۔

ایک جگہ ایک اوراعتراض بھی ہے گو اس دعا سے مخصوص نہیں"۔ خداکا نہ کوئی دنیاوی رشتہ سے بیٹا ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے۔ اگر وہ کسی کا باپ ہو تو ۔۔۔۔۔ صفحہ ٦٦١۔

سوامی جی کو اتنا بہت لکھنا پڑا اورایسی عجلت سے اوراس بے سروسامانی کے ساتھ کہ انہیں خود یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ کیا لکھ گئے اوراب کیا لکھ رہے ہیں۔ وہ آپ فرماچکے " چونکہ پرمیشورسب کا محافظ ہے جیسے باپ اپنی اولاد پر ہمیشہ مہربان ہوکر اس کی ترقی چاہتا ہے۔ ویسے ہی پرمیشور سب جیوں کی ترقی چاہتا ہے ۔ اس لئے اس کا نام پتا ہے چونکہ وہ باپوں کا باپ ہے اس لئے اس پر میشورکا نام پتا مہ ہے"۔صفحہ ٢٨

پس گوسوامی جی نے الحمد پر نہایت ہی رکیک اعتراض کئے جن کوکوئی فہمیدہ دیندار شخص روانہ رکھیگا مگر وہ سیدنا مسیح کی دعا پر دراصل کوئی اعتراض نہ کرسکے

اورعیسائیوں کو اطمینان ہے کہ وہ سیڑھی جو سیدنا مسیح نے ہماری روح کے آسمان کی طرف چڑھنے کے لئے نصب کی بہت محکم اوراٹل ہے۔

انگریزی زبان کی مثل ہے"۔ احمق وہاں گھس پڑتے ہیں جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں"۔

اگر سوامی جی اعتراض نہ کرسکے توکیا ہوا۔ اگر پدرنتواند پسر تمام کند۔ مرزا قادیانی جس کو ساری مسلمان دنیا دجال اورکذاب کہتی ہے اوردائرہ اسلام سے خارج ۔ اس نے اعتراض کئے ہیں۔ سن لو۔ ہاں اگریہ اعتراض محض ملحدانہ تصورکئے جائیں اور مسلمانوں کے اعتراض نہ مانے جائیں توہم کو اپنا قول کہ مسلمانوں نے بھی سیدنا مسیح کی دعا پر اعتراض کئے خوشی سے واپس کرلیناہوگا۔ کیونکہ ہم کو ایسا کوئی معترض نہ ملا جس کا اسلام اورایمان مسلمہ ہو۔ مرزا جی نے بھی سیدنا مسیح کی دعا اور الحمد پر کچھ خامہ فرسائی کی تھی دیکھو ریویو آف ریلجیز نمبر ۱۱، ۱۲ صفحہ ۱۹۰۲ء ان کے چند اقوال ہدیہ ناظرین ہیں' یہ دعا جو سورہ فاتحہ میں ہے انجیل کی دعا سے بالکل نقیض ہے "۔ صفحہ ۴۵۸۔

" انجیل کہتی ہے کہ زمین خدا کی تقدیس سے خالی ہے۔۔۔۔۔ ابھی اس میں خدا کی بادشاہت نہیں آئی اس لئے حکومت نہ ہونے کی وجہ نہ کسی اور وجہ سے خدا کی مرضی ایسے طور سے زمین پر نافذ نہیں ہوسکی جیساکہ آسمان پر نافذ ہے ۔ مگر قرآن کی تعلیم سراسر اس کے بر خلاف ہے"۔ ایساکلمہ ایک کامل عارف کے منہ سے نہیں نکل سکتا"۔صفحہ ۴۵۲، ۴۵۳ ۔

" جس کی ابھی تک زمین پر بادشاہت نہیں آئی وہ کیونکر روٹی دے سکتا ہے۔ ابھی تک تو تمام کھیت اورتمام پھل نہ اس کے حکم سے بلکہ خود بخود پکتے ہیں اورخود بخود بارشیں ہوتی ہیں اس کا کیا اختیار ہے کہ کسی کو روٹی دے جب بادشاہت زمین پر آجائیگی تب اس سے روٹی

مانگنا چاہیے ابھی تو وہ ہر ایک زمینی چیز سے بیدخل ہے"۔صفحہ ۲۶۱

" زمین کی بادشاہت ابھی اس کو حاصل نہیں اورابھی عیسائیوں نے کچھ اس کے ہاتھ سے لے کر کھایا نہیں تو پھر قرضہ کونسا ہوا ایسے تہدست خدا سے قرضہ بخشوانے کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ اس سے کچھ خوف ہے کیونکہ زمین پر ابھی اس کی بادشاہت نہیں"۔صفحہ ۲۶۱

اس قسم کی تقریر سن کرہم کو یہود کا تعصب یاد آیا کہ قرآن شریف میں کہا گیا تھا من ذا الذی یقرض اللہ قرضا ضا حسنا وہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھی طرح کا قرض (حدید) توانہوں نے جواب دیا تھا ان ان اللہ فقیر ونحن اغنیا کہ اللہ محتاج ہو گیا اورہم دولتمند اب اللہ ہمارا دوست نگر ہوگیا (ال عمران ع ۱۹) مرزا جی نے بھی انہیں استادوں سے یہ دوچار گر سیکھے ہیں مگر جہاں یہود بچار ے چوک جاتےہیں وہاں مسٹر بریڈ لا دستگیری کرتے ہیں

۔ ہم کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس دعا کے کم سے کم دو فقرے ایسے رہ گئے جسنے ان کو بھی بے بس کردیا۔ ایک خدا کو باپ کے نام سے خطاب کرنا دوسرا آزمائش سے پناہ ۔ مگر یہ مرزا جی کی اپنی خامی ہے۔ انکو شاید سوامی دیا نند کا اعتراض یاد نہیں رہا جوانہوں نے باپ کے خطاب پر کیا تھا۔ یہ ہم اس لئے یاد دلاتے ہیں کہ ان کا مضمون پورا ہوجائے ۔کیونکہ ع کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔

سیدنا مسیح کی دعا نسبت آپ کا ایمان مجمل یہ ہے کہ" یہ توانجیل کی دعا ہے جو انسان کو خدا کی رحمت سے ناامید کرتی ہے اوراسکی ربوبیت اور افاضہ اورجزا وسزا سے عیسائیوں کو بیباک کرتی ہے"صفحہ ۴۵۷ ایک بات مرزا جی نے اس تقریر میں بڑی حسرت سے کہی ہے ۔ کہ" حضرت مسیح کی دعا قبول ہوکر عیسائیوں کو روٹی کا سامان بہت کچھ مل گیا ہے"صفحہ ۴۷۱ ۔ یہ شاید اپنے لنگر خانہ کی ابتر حالت دیکھ کر انہوں نے فرمایا۔ کیوں مرزا جی

بھی سیدنا مسیح کی دعا مریدوں کو نہیں سکھلادیتے۔ جب معلوم ہوگیا کہ یہ دعا ایسے اہم مقدمہ میں مستجاب ہے۔

اب ہم کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم مرزا صاحب کے اس قول کو کہ فاتحہ کی دعا انجیل کی دعا سے بالکل نقیض ہے مثل ان کے تمام دعوؤں کے مردود سمجھتے ہیں ۔ اورانہوں نے صرف ایک ہی آنکھ سے کام لیا اگر خدا کو دونوں آنکھیں روحانی عطا فرماتا تو اپنے اس قول سے اور اس کے وجود سے وہ بہت ہی شرمندہ ہوتے۔ مرزا جی تو اب مدت ہوئی کہ دنیا سے گذرگئے مگر اے کاش کہ انکے مریدوں کی دعا کبھی قبول ہوجائے ۔ جب وہ الحمد میں پڑھیں۔ اھدنا الصراط المستقیم۔

قرآن وابن اللہ

ان اختلافی مسائل میں سے جن کےبارے میں عیسائی اورمسلمان عرصہ دراز سے لڑرہے ہیں اورجن پر طرح طرح کی لفظی بحثیں اورمتعصبانہ موشگافیاں ہوتی رہیں۔ ایک ابن اللہ کالقب ہے جو عیسائیوں نے بلکہ عیسائیوں کی مقدس کتابوں نے سیدنا مسیح کو دیا اور جس کا مسلمان عموماً بڑی شدت اوربڑے غلو سے انکار کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس لقب میں درحقیقت کوئی ایسا عیب ہے جس کے باعث اس کا استعمال کفر ہوجاتا ہے۔ یہ امر غورطلب ہے کہ لفظ کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی ۔ لفظ دراصل ایک نشان ہے جس کے ذریعے ہم کسی تصور کا اظہار کرتے ہیں ۔ پس جولوگ لفظ ابن اللہ پراعتراض کریں ان کوپہلے یہ دکھلانا چاہیے کہ جس تصور کے اظہار کےلئے یہ لفظ وضع ہوا وہ نازیبا

ومعیوب ہے۔ ابن اللہ اہل کتاب کے مصطلحات میں داخل ہے۔اس کے ایک خاص معنی ہیں جن سے یہ الگ نہیں ہوسکتا۔

اس میں لفظ ابن کواللہ کے ساتھ ترکیب دیا ہے۔ اس طرح ابن کی ترکیب اوربیسیوں لفظوں کے ساتھ دی گئی جسس سے طرح طرح کے معنی حاصل ہوئے اورہر جگہ لفظ کا استعمال بطور مجازہوا۔ ابن السبیل ۔ راہ کا بیٹا مسافر ہے۔ ابن الوقت زمانہ ساز۔ ابن الارض نباتات ۔ ابن الحساب بارش ۔ ابن فرکاء سورج کا بیٹا فجر ہے۔ ابن مزنتہ بادل کا بیٹا چاند ہے۔ اوربھی لفظ ہیں۔ ابنا ئے جہان ۔ابنائے روزگاروغیرہ۔ اسی طرح ای روحانی حقیقت کو جودنیاوی وجسمانی تصورات کی حدود سے باہر ہے اور انسانی زبان جس کے کماحقہ اظہار کرنے میں قاصر تھی ابن اللہ کے لطیف استعارہ میں اداکرنے کی کوشش کی گئی ہے اوراس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جواپنی مرضی کوالہی مرضی سے متحد کرکے جوکرے اس طرح اپنے معبود کے لئے کرے جیسے نہایت فرمانبردار سعادتمند فرزند اپنے باپ کی اطاعت میں کرتا ہے۔ خصوصاً ایسا شخص جس نے دنیاوی علائق سے اپنے تئیں ایسا منقطع کرلیا کہ سوائے خدا کے اسکی نسبت کسی اور سے نہ دی جا سکے۔ یعنی جو فنا نی اللہ وبقا بااللہ کے مرتبے کو پہنچ جائے اس کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ اورجس شخص میں عین اس کے ضد کی صفات ملیں اس کو ابن الشیطان کہنا بھی روا ہے۔ مثلاً یہودیوں کے درمیان منکرین تھے جو سیدنا مسیح کے قتل اورایذا کی فکر میں لگے رہتے تھے ۔ مگر فخریہ کہتے تھے۔ ہمارا باپ توابراہیم ہے (یوحنا ۸: ۳۹) آپ نے جواب دیا " اگر تم ابراہیم کے فرزند ہوتے توابراہیم کے سے کام کرتے ۔ تم اپنے باپ ابلیس سے ہو اوراپنے باپ کی خواہشوں کوپوراکرنا چاہتے ہو"(یوحنا ۸: ۴۱) اوراپنے حق میں فرمایا ۔" میں ہمیشہ وہی کام کرتاہوں جو خدا کوپسند آتے ہیں " (آیت

۲۹) " میں نے جو اپنے باپ کے ہاں دیکھا وہ کہتا ہوں اورتم نے جو اپنے باپ سے سنا ہو کرتے ہو"۔ (آیت ۳۱) " مبارک وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائینگے "(متی ۵: ۹)" اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو تاکہ تم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اورنیکوں دونوں پر چمکاتا ہے "(متی ۵: ۴۵) پھر لکھا ہے ۔" جتنے لوگ خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں "(رومیوں ۸: ۱۴) سیدنا مسیح نے فرمایا ہے"۔ جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت کودیکھ نہیں سکتا۔ جوجسم سے پیدا ہوا ہے وہ جسم ہے اورجو روح سے پیدا ہوا وہ روح ہے " (یوحنا ۳: ۳،۶) یہ نئی پیدائش جو روح کی پیدائش ہے انسان کو خدا کا فرزند اور آسمانی بادشاہی کا وارث بناتی ہے۔ اوراسی طرح جو اپنی خواہش اورارادے کو مٹا کر صرف خدا کی مرضی کو اپنی مرضی بنالیتا ہے اس فرزندی میں داخل ہوتا ہے۔ مقدس یوحنا فرماتا ہے " دیکھو باپ نے ہم سے کیسی محبت کی ہم خدا کے فرزند کہلائیں "۔ اورپھر " جو شخص گناہ کرتا ہے وہ ابلیس سے ہے کیونکہ ابلیس شروع ہی سے گناہ کرتا رہا۔ جو کوئی خدا سے پیدا ہوا وہ گناہ نہیں کرتا کیونکہ ابلیس شروع ہی سے گناہ کرتارہا ۔ جو کوئی خدا سے پیداہوا وہ گناہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تخم اس میں بنا رہتا ہے ۔ بلکہ گناہ کرہی نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیداہوا۔ اسی سے خدا کے فرزند اورابلیس کے فرزند ظاہر ہوتے ہیں " (خط اول باب ۳) اورمبادا کوئی حجتی حجت کرے اورشک پیدا کرے صاف الفاظ میں یہ بھی بتلادیا کہیہ خدا کے فرزند " نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے "(یوحنا ۱: ۱۳) مگر یہ تعریف جو اوپر بیان ہوئی اپنے کمال میں صرف سیدنا مسیح کی معصوم ذات پر صادق آتی ہے اس لئے بالتخصیص وہی اس شرف

کے مستحق ہیں کہ ابن اللہ کہلائیں کیونکہ مطلق گناہ سے پاک وہی ہیں۔ اخلاق الہیٰ کے پورے مظہر وہی ہوئے ۔ ایک دوسری خصوصیت بھی ہے جس کی وجہ سے آپ ابن اللہ کہلائے وہ یہ کہ آپ بغیر باپ پیدا ہوئے اور" فرشتے نے مقدس مریم سے کہا۔ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی ۔ اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونے والا ہے خدا کا بیٹا کہلائیگا"(لوقا ۱: ۳۵) پس خدائے غیور کو پسند نہیں آیا کہ اس مقدس وجود کے حق میں باپ کی نسبت سوائے اپنی قدوس ذات کے کسی اور کی طرف ہونے دے پس اورلوگ اگر خدا کے فرزند کہلائے تو رعایتاً کہلائے مگر سیدنا مسیح استحقاقاً ۔اس لئے ان کو نہ صرف عام معنی میں خدا کا بیٹا کہا بلکہ اکلوتا بیٹا جو خدا کی گود میں ہے۔

ہاں ممکن ہے کہ کوئی مسلمان کہے کہ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جنہوں نے اس اصطلاح کے متعلق غلطی کی اوراس سے کچھ ایسی مراد لی جو نہ خدا کی شان کے شایاں تھی اورنہ بندگی وعبودیت کے۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی غلطی تھی جس کی اصطلاح کرنا ہمارا کام بھی ہے اورتمہارا بھی۔ اور اگرہم بجائے سیدھی راہ اختیار کرنے کے ان چند نادانوں کی خاطر ایک ایسے عمدہ مضمون کو ترک کردیں تو خود ہم پر اعتراض وارد ہوگا۔

مثال کے طورپر میں مسلمانوں کویاد دلاتا ہوں کہ ان کے درمیان ایک فرقہ جسمانیہ بھی گذرا ہے جس نے خدا کو صاحب جسم والاعضا اس وجہ سے مان لیا کہ قرآن میں اس سے سننا دیکھنا اوربولنا منسوب ہوا۔ اس کے ہاتھ کا ذکر آیا۔ اس کے تخت کا۔ پس بجائے اس کے کہ ہم ان کے فاسد خیالوں کی اصطلاح کریں۔ کیا زیبا ہے کہ قرآن کے الفاظ کو بدلیں؟ ممکن ہے کہ کسی خاص وقت کسی خاص گروہ کے خیالات ایسے فاسد ہوجائیں کہ کچھ مدت

کے لئے ہم کوکسی خاص اصطلاح کا استعمال اس غرض سے معطل کردینا پڑے ۔ مبادا وہ لوگ اپنی غلطی میں مضبوط ہو جائیں ۔ ایسا اکثر ہوسکتا ہے ۔ جب ایک قوم کی اصطلاح کا دوسری قوم میں رواج دیا جائے۔مثلاً یہودیوں کے درمیان سجدہ ایک تعظیمی فعل تھا جو زمین بوسی سے کچھ بھی زیادہ نہیں۔ بادشاہ کے آگے سجدہ کرتے تھے ۔ انبیاء کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ امرا کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ مگر یہودی موحد تھے ایک خدا کے ماننے والے۔ ان کے عقائد مشہور ومعروف تھے۔ ان کے سجدے کودیکھ کے کبھی کسی شک کرنے والے کو شک نہیں گذرا ۔ میں بھولتا ہوں یہودیوں کے فعل کا کیوں ذکر کروں۔ کیونکہ یہودیوں نے جو یہ طریقہ سیکھا تو ملائکہ حضرت آدم سے سیکھا ۔ حضرت آدم کو خدا نے خاک سے پیدا کرکے فرشتوں کے آگے لا کھڑا کیا تو سب سے پہلے خود ان کو حکم دیا کہ تم آدم سجدہ کرو۔ اورسب سجدہ میں گر پڑے۔

شاید اسی طرف اس آیت میں بھی ایک اشارہ ہے" جب وہ پہلوٹے کو دنیا میں لایا تو کہا اے خدا کے سارے فرشتو اس کو سجدہ کرو"(عبرانیوں ۱: ۶) یہ آدم اول کا تذکرہ ہے۔ مگر یہ فعل آدم ثانی کی ذات میں پورا ہو۔ع زمیں بوس قدر تو جبرئیل شد۔ پس بڑوں کو اہل اللہ کو۔ بادشاہ ظل خدا کو سجدہ کرنا سنت ملائکہ سے یہودیوں میں رواج پاگیا۔

ممکن ہے کہ یہ رواج جس میں کچھ بھی عیب نہیں بلکہ سنت ملائکہ ہونے کی خوبی رکھتا ہے بت پرست ہندوؤں کے درمیان جوہر ایک میں کوئی دیوی یاد یوتا یا اوتار دیکھتے ہیں کچھ دنوں کے لئے بند کردیا جائے ۔ جب تک آریہ لوگ عیسائیوں اورمسلمانوں سے سیکھ کران کے خیالات کی اصطلاح نہ کریں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسلام نے اس سجدہ تعظیم کو بند کردیا اور شاید یہ بھی قرین مصلحت ہوکہ حجر اسود کو چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں

تو وہ فوراً ہی سمجھیں کہ یہ تو ہمارا مہادیو ہے جسکے مسلمان قائل ہیں۔مگر مسلمانوں کی بہت بڑی زیادتی ہوگی اگر وہ ملائکہ کے درمیان یا یہودی اورعیسائیوں کے درمیان اس سجدے کو روکنے کی کوشش کریں۔ پس ہم کچھ بھی عیب نہیں دیکھتے کہ کیوں ابن اللہ کے لقب کو کتبہ مقدسہ کی اصطلاح کے موافق ترکیا جائے ۔ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں کے خیالات اس زمانے میں کچھ ایسے بگڑے ہوئے تھے اورانہوں نے اس پاک اصطلاح کو کسی ناپاک معنی میں استعمال رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے اسلام نے اس مبارک لقب کو ترک کیا۔ اوراس کی بجائے کچھ ایسے ہم معنی الفاظ کو رواج دیا جن کا استعمال ان لوگوں کے لئے آنحضرت کم خطرناک معلوم ہوا۔مثلاً عیسائی سیدنا مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ اس کو خدا کاکلمہ بھی کہتے ہیں قرآن نے دوسری اصطلاح کو بحال رکھا اورپہلی کی بجائے بالکل ہم معنی ایک دوسری اصطلاح

کو رواج دیا یعنی مسیح کو روح اللہ کہا جس کے معنی ہیں خدا کی جان ۔ بیٹے کےلئے بہت استعارات رائج ہیں اس کو قرہ العین کہتے ہیں۔ لخت جگر کہتے ہیں۔ جان پدر کہتے ہیں یہی جان پدر کی اصطلاح اختیار کرلی اوربجائے بیٹے کے سیدنا مسیح کو خدا کی روح کہا۔اہل عرب کے درمیان بہت سے فاسد خیالات رائج تھے ۔ مثلاً وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اوریونانیوں کی طرح دیوتاؤں کو خدا کے بیٹے مانتے تھےاورلفظ بیٹے بیٹیوں کو اصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ محض عرفی معنوں میں سمجھتے تھے۔ یونانیوں کے تمام دیوتا انسانی خاندان کی طرح بیوی بچے والے ہوتے تھے۔ یہی حال عرب کا ہوگا یہی حال ہندوؤں کا ہے۔ اگررام ہے تو سیتا بھی ہے۔ اگرکرشن ہے تو رادھا بھی ہے اگرمہادیو ہے تو پاربتی بھی ہے۔ اب یہ مجتہدوں کے اجتہاد کی بات ہے۔ مصلحین نے اپنی مصلحت کو خود پہنچانا۔ آنحضرت نے یہ مناسب جاناکہ اس وقت ابن اللہ کی

اصطلاح کو ترک کردیا جائے مبادا اس اصطلاح کے ساتھ جو کفر وشرک کے نازیبا خیالات مل گئے ہیں اس سے یہ نادان بت پرست دھوکا کھاجائیں۔

مقدس پطرس اور مقدس پولوس نے یہی مناسب جانا کہ ہم اپنی شائستہ اصطلاح کو نہ بدلیں بلکہ انہیں بیوقوفوں کے خیالات کی اصطلاح کردیں۔ پس عیسائیوں اوریہودیوں میں وہ اصطلاح اس وقت تک رائج رہی اور مسلمانوں میں متروک ہوگئی لفظ متروک ہوگیا معنی نہیں متروک ہوئے۔اورہم کو معنی سے بحث ہے اورہم کہہ سکتےہیں کہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے اصطلاح کے صحیح معنوں میں حرف آسکے۔ پس یہ معلومہوگیا کہ یہودی اصطلاح میں کس عمدہ معنی کے ساتھ ابن اللہ کا لقب جاری ہے ۔ مگر جس وقت شرک کا خیال گذرتا ہے تو یہودی بھی اس خیال کوویساہی ردکرتےہیں جس طرح کوئی مسلمان ۔ یہ سن کر اہل اسلام کو سخت استعجاب ہوگا کہ قرآن کی سب سے مشہور سورہ اخلاص بالکل یہودی مضمون کا خلاصہ ہے۔ایک یہودی ربی ابن اللہ کی اصطلاح کوماننے والا طالمود میں یسعیاہ (۶:۴۰) کی شرح میں لکھتا ہے " ربی ابا ہونے فرمایا بادشاہ جو گوشت وخون سے بنا(یعنی انسان) اسکی مثال یہ ہے کہ وہ حکومت کرتا ہے اسکے باپ ہوتاہے یا بھائی لیکن وہ قدوس ۔ اس کا نام مبارک ہو۔ فرماتاہے میں ایسا نہیں ۔ میں اول ہوں۔ میرا کوئی باپ نہیں۔ میں آخر ہوں۔ میراکوئی بیٹا نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں یعنی میرے کوئی بھائی بند نہیں"۔

اب اس کو پڑھ کر معلوم ہوجائیگا کہ جو کہا قل ھو اللہ احد ۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہ کفوا احد۔ اس میں دراصل ایک حرف بھی نہیں جو یہودی ربی کےکلام سے زیادہ ہو بلکہ ہوبہو عبرانی کا عربی ترجمہ ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتاہے کہ مدینہ کے یہودیوں کے پاس

گویا عربی کی کوئی طالمود تھی جس میں اسی طرح سے عبرانی کا مضمون ادا کیاگیا تھا۔ قرآن شریف میں ایک آیت یہ موجود ہے لواراد اللہ ان یتخذ ولد الاصطفٰے مما یخلق مایشائی سبحنہ ھو اللہ واحد القہار۔ اگر خدا چاہتا ہے کہ کسی کو فرزند ی میں قبول کرے تو اپنے مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا وہ پاک ہے وہ اکیلا خدا ہے قہار ہے (زمرع ۱) پس فی فقہہ خدا کا کسی کو بیٹا کہنا کوئی نازیبا امر نہیں اوراگرکسی کوبیٹا نہیں بنایا تو فقط اس لئے کہ وہ واحد ہے اورپاک ہے۔ مگرمسیح بھی پاک ہے اورع عدیم است عدینش چوخداوند کریم۔ پس اگر خدائے قدوس اپنے ایسے پاک بندے کو اپنی فرزندی میں لے تو عین اس کے تقدس کے شایاں ہے"۔ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی۔ اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونے والا ہے خدا کا بیٹا کہلائیگا۔ سیدنا مسیح جو تمام جن وانس وملائکہ میں عیسائیوں کے اعتقاد کے

موافق افضل ہیں۔ جو وجیہاً فی الدنیا والاآخرت ٹھیرے ضرور اس کے سزاوار تھے کہ خدا ان کو اپنا فرزند بنائے۔ وہ بہترین خلائق ہیں یعنی اگر دونوں جہان میں کوئی خدا کی فرزندی کی قابلیت رکھتا ہے تو وہ مسیح ابن اللہ ہیں۔ چاہے مولوی کچھ کہیں اورانکے متقدی کچھ۔ مگر جن لوگوں نے روحانیت میں بہت زیادہ ترقی کی اورمثل مولانا روم کے یہ کہنے کے درجے پر پہنچ گئے ۔ من زقرآں مغزرا برداشتم ۔ استخواں پیش سگاں انداختم انہوں نے سلوک کے اعلیٰ منازل پر پہنچ کر ابن اللہ سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہ دیکھا۔ انہوں نے مطلق پروانہ کی کہ علمائے ظاہر کس طرح ناک بھوں سکوڑینگے اورانہوں نے یہودی اورعیسائی اصطلاح سے فیض اٹھایا اوربے محاباپکار اٹھے ۔ ماعیال حضرتیم وشیرخواہ ۔ گفت الخلق عیال اللہ ۔ اولیا اطفال حق اندائے پسر۔ بلکہ ہم کو ان صوفیائے کرام کی شکایت کرنا پڑتی ہے کہ انہوں نے ہماری تمام اصطلاحیں مستعار لے

لیں۔ سیدنا مسیح کا لقب ہے اکلوتا بیٹا جو خدا کی گود میں ہے۔ ابوبکر شبلی فرماتے ہیں الصوفیه اطفال فی حجر الحق صوفی طفل ہے حق کی گود میں۔ رساله قشیریه مجھ کو اس وقت ہندوستان کے ایک گمنام مگر روشن ضمیر مسلمان شاعر منور خان دلمیر رئیس میرٹھ کا ایک شعر یاد ہوتا ہے جوانہوں نے بھاکھا میں کہا۔ چنانچه مناجات میں فرماتے ہیں۔ میرے خالق میرے مالک۔ تو ہے باپو ہم تیرے بالک۔ انکے کلیات پر خواجه حالی نے پرچه معارف دسمبر ۱۹۰۱ء میں تبصره کرتے ہوئے اس نادر خیال کی داددی۔ اس مضمون پر خواجه صاحب کا اپنا شعر بھی ہے۔

یه پہلا سبق تھا کتاب ہدا کا
که ہے ساری مخلوق کنبه خدا کا

دلمیر کے شعر پر آپ لکھتے ہیں " خدا کی عظمت کا بیان گنواروں کے خیالات کے موافق اس سے بہتر کسی پیرایه میں نہیں ہوسکتا که اس کو باپ اوراپنے تئیں اس کے بچے قرار دیں"۔

کاش حالی صاحب سمجھتے که ابن الله کی اصطلاح ایسی پیاری ہے که ناخوانده حال گنوار بھی اس کواسی وجد کے ساتھ اپنی زبان سے نکالتا ہے جس وجد کے ساتھ علم معرفت میں منتہی۔ مولوی معنوی کے ہم سبق۔ اوریه جوہم قرآن میں پڑھتے ہیں فاذ کر وا الله کذ کر کمه آباء کم اواشد ذکرا۔ خدا کی یاد کرو جیسے یاد کرتے ہو اپنے باپوں کی یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرو۔ اس میں بھی وہی معرفت پوشیده ہے که خدا کی عظمت کا بیان اس سے زیاده اورکیا ہوسکتا ہے که اس کو باپ کہیں اوراپنے تئیں اس کے فرزند اوریه نه صرف " گنواروں کے خیالات کے موافق " بلکه زمانه حال کے نہایت شائسته اورمتین اسلام کے خیالات کے موافق بھی۔

جسٹس سید امیر علی جن سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی دوسرا حامی اسلام نہیں نظر آتا ! وہ بھی بڑے شوق سے یہ لکھ گئے "آسمانی باپ نے اپنے خادم (محمد) کے ذریعے اپنے بھکے ہوئے بال بچوں کو پھر اپنی طرف بلایا۔" (سیرت محمدیہ صفحہ ۵۸۰۔ انگریزی) پھر فرماتے ہیں" خدا کی ابوت کا جو تصور حضرت مسیح کو تھا اس میں کل بنی آدم شامل تھے تمام آدمی خدا کے فرزند تھے اور آپ ازلی باپ کی طرف سے ان کے ہادی ہوکر آئے تھے ۔پس اس طرح عیسائیوں کے پیش نظر ایک اوربھی زیادہ لطیف نمونہ موجود تھا (صفحہ ۲۳۲)۔

اور اسلام سے اس مبارک اصطلاح کے متروک ہوجانے کا آپ یہ عذر بیان فرماتے ہیں "۔ خدا کے متعلق لفظ باپ کے استعمال کو جو اسلام نے متروک کردیا اس کا باعث یہ تھا کہ ہم عصر عیسائیوں کے درمیان اس لفظ کا مفہوم بدرجہ غائت بگڑ گیا تھا۔

اور پھر آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ" ہم اس بات سے قطعی انکار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے اپنے تئیں کبھی بھی اس معنی میں ابن اللہ قرار دیا جس معنی میں عیسائی علماء اور مناظرین نے اس کلمہ کو تعبیر کیا ہے"۔

ہمارا دعویٰ تو صرف اسی قدر ہے کہ وہ معنی نہایت زیبا ہیں جس میں اس لفظ کا استعمال انبیاء نے کیا جن میں سیدنا مسیح نے آپ کو زندہ خدا کا بیٹا تسلیم کیا جس میں آسمان سے آواز آئی۔ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں ۔ جس میں فرشتے نے بشارت دی وہ خدا کا بیٹا کہلائیگا۔ پس عیسائیوں کے خیالات سے کیوں الجھتے ہو۔ تم اس کے اصلی مفہوم کو خود تلاش کرلو۔ عیسائی مسیح کو کلمتہ اللہ کہتے ہیں۔ اور کلمتہ اللہ سے ان کی مراد وہی ہوتی ہے جو ابن اللہ سے ہے۔ پھر تم مسیح کو کیوں کلمتہ اللہ کہتے ہو۔

گومناسب نہیں معلوم ہوتاکہ ہم اس مقام پر مسلمانوں میں سےکسی ایسے شخص کا ذکر کریں جو اپنی واہیات و ناشائستہ تعلیوں کی وجہ سے بدنام ہوچکا ہے ۔ لیکن اس بحث میں ہم اس کی کتاب سے بھی یہاں ایک اقتباس کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس نے کہاں تک مسلمان صوفیوں اورعیسائیوں کے بعض خیالات کا سرقہ کیا ہے۔ اوراسی مال مسروقہ کی بدولت نئی نئی تحقیقات کادعویٰ کیا کرتا ہے۔جب اس نے مسلمانوں کو ادھر سے غافل دیکھا تو اپنی جھونپڑی کی آرائش کے لئے عیسائیوں کے بنگلوں اورکوٹھیوں کا سامان چرایا اوربغیر شکریہ ادا کئے اپنے ناجائز استعمال میں لایا اورنادانوں سے کہا یہ میرا ایجاد ہے مگر گودڑمیں کمخواب کا پیوند کب کھپ سکتا ہے! ہم اس کے کلام کواس غرض سے بھی نقل کرتےہیں کہ یہ شخص عیسائیوں اورعیسویت کابڑا دشمن ہے اورباوجود عناد کے اس کو عیسائیوں کے خیالات کے

آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ لکھتا ہے ہے"۔ یہ نفا کا مرتبہ سالک کے لئے کامل طورپر متحقق ہوتا ہے کہ جب ربانی رنگ بشریت کے رنگ وبوکوبہ تمام وکمال اپنے رنگ کے نیچے متواری اورپوشیدہ کردے جیسے آگ لوہے کے رنگ کے نیچے ایسا چھپالیتی ہے کہ نظر ظاہر میں بجز آگ کے اورکچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ وہی مقام ہے جس پر پہنچ کر بعض سالکین نے لغزشیں کھائی ہیں اورشہودی پیوند کر وجودی پیوند کے رنگ میں سمجھ لیا ہے۔ اس مقام میں جو اولیا اللہ پہنچے ہیں یا جن کو اس میں سے کوئی گھونٹ میسر آگیا ہے۔ بعض اہل تصوف نے ان کا نام اطفال اللہ رکھ دیا ہے۔ اس مناسبت سے کہ وہ لوگ صفات الٰہیٰ کے کنار عاطفت میں بہ کلی جا پڑے ہیں اورجیسا ایک شخص کالڑکا اپنے حلیہ وخط وخال میں کچھ اپنے باپ سے مناسبت رکھتا ہے ویسا ہی انکوبھی ظلی طورپر بوجہ تخلق باخلاق اللہ کی صفات جمیلہ سے کچھ مناسبت پیدا ہوگئی

ہے۔ ایسے نام اگرچہ کھلے کھلے طورپر بزبان شرع مستعمل
نہیں ہیں مگر درحقیقت عارفوں نے قرآن کریم سے ہی اس کو
استنباط کیا ہے کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فاذکرواللہ
ذکرواللہ کذکرکماآباء کمہ اواشد ذکرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا
یاد کرنا کہ جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ اورظاہر ہے
کہ اگرمجازی طورپر ان الفاظ کا بولنا نہیات شرع سے ہوتا
تو خدا تعالیٰ ایسے طرز سے اپنے کلام کو منزہ رکھتا جس سے
اس اطلاق کا جواز مستنبط ہوسکتا ہے"۔

یہ مضمون لکھنے سے میری غرض صرف یہ
دکھلادینا تھی کہ عیسائیوں اورمسلمانوں کے درمیان اس
اصطلاح کی بابت محض ایک لفظی اختلاف ہے اس کے
معنی کے اوپرکوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہم مسیح کو ابن
اللہ کہتے ہیں۔ تم اس کو روح اللہ کہتے ہو۔ یہ روحانی
حقیقتیں ہیں جن کے اظہار کے لئے سوائے استعارات اور
کلام متشابہ کے اورکچھ موزون نہیں۔ روح اللہ کہو خواہ
اسکو اللہ کا نفس ناطقہ کہو۔ بات ایک ہی ہے یعنی وہ کلام
خدا ہے۔ اللہ کو اوراسکے کلام کووہی واسطہ ہے جوباپ
کواپنے بیٹے سے ہوتا ہے۔

کم کہتے ہیں ہرگز نہ سوا کہتے ہیں
جوکچھ کہتے ہیں ہم بجا کہتے ہیں
ظاہر ہے کہ بڑھ کر ہے کہیں جسم سے
روح حق ہے جواسے روح خدا کہتے ہیں

سیدنا مسیح کی صلیبی موت

سیدنا مسیح کی صلیبی موت ان چند مسائل میں سے ہے جن کی نسبت عیسائیوں اورمسلمانوں نے عموماً فرض کررکھا ہے کہ وہ عیسویت اوراسلام کے درمیان اس درجہ میں اختلافی ہیں کہ ان میں توافق ممکن نہیں۔ انجیل شریف میں تو صاف صاف لکھاہوا ہے کہ سیدنا مسیح کو صلیب دیا گیا اورصلیب کے اوپر آپ کی موت واقع ہوئی اور عیسائیوں کا ایمان بھی یہی ہے کہ" وہ صلیب پر کھینچ گئے دفن ہوئے ۔ تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھے اورآسمان پر تشریف لےگئے "۔ اور قرآن میں یوں لکھا ہے ماقتلو وما صلبوہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اورانہوں نے اس کو صلیب پر نہیں دیاتوبادی النظر میں یہ بات صاف ہوگئی کہ جس واقعہ کاانجیل شریف نے اثبات کیا اسی کا قرآن نے انکارکیا۔

اب مشکل یہ ہے کہ سیدنا مسیح کامصلوب ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جو نہ صرف انجیل کی تاریخ میں مذکور ہوا بلکہ تاریخ دنیا میں درج ہوگیا۔ رومیوں نے جن کے حکم سے آپ کو صلیب دی گئی اس حادثے کو قلم بند کر رکھا ۔یہودیوں نے جن کی کوششوں کے نتیجے میں آپ کو صلیب ہوئی فخر یہ اس کو بیان کیا۔ پس صلیب کا واقعہ ایک ایسی حقیقت ٹھہری کہ اگرانجیل نہ بھی موجود ہوتی تو تاریخ دنیا اس پر شاہد رہتی اور کوئی اس سے انکار نہ کرسکتا۔ لیکن اب جو انجیل میں بھی اس کا ذکر ہوا تو بجائے ایک شہادت کے اس واقعہ پر دو شہادتیں موجود ہوگئیں۔ اوریہ دونوں شہادتیں یعنی یعنی چشم دید اورہم عصر شہادتیں ہیں جن کو کوئی بھی نہ مقبول نہیں کرسکتا۔ پس اگر قرآن چھ سو برس بعد آکر ایسے مسلمہ وقوعہ سےانکار کرے تو اس انکار میں جو خطرہ ہے وہ خود اس کو اٹھانا پڑیگا۔ اوراس کی حالت مرزا حیرت سے بھی بدتر ہوگی جوکربلا کے

عظیم ترین حادثے کاانکار کرکے لوگوں کو اپنے اوپر ہنسارہے ہیں ۔ بعض اوقات تو محض دینی ہوتے ہیں اور بعض اوقات محض دنیوی اوربعض دینی اوردنیوی دونوں۔ سیدنا مسیح کی صلیبی موت اس آخری قسم کا واقعہ ہے اوراس پر دونوں قسم کی شہادتیں موجود ہیں۔ یہ محض دینی واقعہ نہیں جس کی نسبت دنیاوی شہادت ساکت ہو۔ جس پر محض دینی شہادت قابل قبول ہو۔پس اگرایک دم کے لئے یہ مان لیا جائے کہ قرآن شریف نے فی الحقیقت تصلیب وموت مسیح کاانکار کیا ہے تو لا ریب یہ کرکے اس نے نہ صرف دنیاوی تاریخ سے اوروہ بھی ہم عصر تاریخ سے بلکہ دینی تاریخ سے یعنی تاریخ انجیل سے بھی لڑائی مول لی۔ اسی انجیل سےجس کی صداقت اس نے بڑی خندہ پیشانی سےتسلیم کرلی ہے۔ یہ ایک مشکل ہے جس کو ہر فہمیدہ شخص محسوس کرسکتا ہے ۔ جس کی نگاہ میں تاریخ کی کہ جوسنت اللہ کاایک دوامی دفتر ہے کچھ بھی وقعت ہے بالخصوص ایسا شخص جو قرآن شریف کی صداقت کے لئے غیرت مند ہے۔

ہاں ایسے لوگ جو بالکل مذہبی خیالات میں اتنا غفیل ہورہے ہیں جن کو آج تک اس کی بھر پروانہیں کہ زمین گول ہے یا چپٹی ۔ متحرک ہے یا ساکن ۔آیاآفتاب کوئی طشت یاقاب ہے جوکسی دلدل میں سے اچھلتا اورکسی دلدل میں جا ڈوبتا ہے جو آج تک قاف کو محیط عالم مانتے ہیں اور چاند کی بڑھیا کو اس وقت تک چرغہ کا تتے دیکھتے ہیں ۔ایسے لوگوں کے لئے برابر ہے کہ سکندر کے سر پر بیل سے دوسینگ تھے یا نہیں تھے انکی بلا سے مسیح کو صلیب ہوئی یا طیطانوس مسخ ہوکرمسیح کی شکل بن گیا۔ ان فہمیدہ لوگوں میں سے جنہوں نے کسی بات پر کبھی غوروخوض کیا اورجنہوں نے مسلمان ہوکربلکہ غیرت مند مسلمان ہوکردین کی باتوں پر فکر کی اوراپنی وسعت نظر کے باعث فکر کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں سے

ہمارے زمانے میں ایک سرسید احمد بھی تھے۔ اورچونکہ آپ حسب ارشاد قرآن شریف انجیل مقدس کوبھی برحق جانتے تھے اورتاریخ دنیاپر بھی نظر ڈالے ہوئے تھے اورقرآن کے مقولے کوبھی حق مانتے تھے۔ پس وہ یہ نہیں کہہ سکے کہ قرآن نے واقعہ صلیب کا انکارکیا کیونکہ اگروہ ایسا کرتے تو ان کو معلوم تھا کہ اس انکار کا اثبات ممکن نہیں۔ اوربڑی بات یہ تھی کہ ان کو جگت ہنسائی کی شرم تھی۔ پس شعور کی بات ان کو یہی سوجھی کہ جس آیت سے لوگ انکار صلیب سمجھتے ہیں اس کے سمجھنے میں ان کو دھوکا ہوا۔ قرآن شریف کی شان سے بعید تھا کہ ایسے مسلمہ امر کا انکارکردیتا ۔ پس انہوں نے واقعہ صلیب کی حقیقت کو تسلیم کرکے آیت قرآن کی ایسی تاویل ڈھونڈھی جس سے قرآن شریف کے اوپر سے ناواقفیت اورجہالت کا یہ الزام دفع ہو کہ اس نے حقیقت الامر کا انکارکیا۔ اپنے خیالات سرسید نے اپنی تفسیر قرآن میں درج کردئیے ہیں ۔ مگر سرسید کا شمار ان محققین میں ہے جن کو اپنی بد قسمتی سے مسلمان مقلدین کا گروہ ان کے جیتےجی بدعتی یا کافر سمجھا گیا کیونکہ یہ معقول کو منقول پر مقدم سمجھتے تھے۔

ایک دوسرے مولوی صاحب ہیں محمد احسن صاحب امروہی۔ پرانی وضع کے کھرے مسلمان۔ تصوف میں رنگے ہوئے ۔ منقول پر فدا معقول میں کم دخل دینے والے ۔ آپ نے فارسی زبان میں عربی کی مشہور کتاب تصوف فصوص الحکم پر ایک مبسوط شرح لکھی ہے اوراس کے باب قص کالمہ العیسویہ میں واقعہ صلیب پر اپنے خیالات ظاہرکئے ہیں۔ آپ نے بھی آیہ کریمہ کی ایسی تاویل کی ہے جس سے واقعہ صلیب مندرجہ انجیل مقدس کے حرف حرف سے قرآن شریف مطابق ہوجاتا ہے اس میں آپ نے دکھلایا ہے کہ جس طرح انجیل شریف کی تعلیم ہے کہ حضرت مسیح صلیب دئے گئے صلیب پر آپ کی وفات ہوئی پھر آپ دفن کئے گئے ۔ پھر تیسرے دن

زندہ ہوکر اپنے لوگوں سے ملے ۔پھر چالیس روزتک ان کے ساتھ قیام کیا اورآسمان پر تشریف لے گئے ۔اسی طرح بجنسه قرآن شریف کی بھی تعلیم ہے اورآیت انی متوفیك وارفعك انی کے مفہوم میں یه سب کچھ داخل ہے۔ ناظرین مولوی صاحب ممحدوح کی بحث کوان کی کتاب میں پڑھ سکتے ہیں ان کی عبارت کتاب ینابیع الا سلام مطبوعه پنجاب رلیجئس بك سوسائٹی لاہور) میں بھی درج کی گئی ہے۔

خیریه لوگ تو زیادہ سمجھ کی باتیں کرنے والے تھے اگراس نکتے پرپہنچے تو تعجب کی بات نہیں مگربڑا تعجب یه ہے کہ ہمارے زمانے کا ایك شخص جو اپنی نامعقولیت میں فرد مشہور ہے اورہر سیدھی بات کا دشمن اورایسا بدنام کہ اگر بھولے سے بھی کوئی سچی بات اپنے منه سے نکال دیتے تو وہ بھی مشتبه ہوجائے۔ جو ہندو مسلمان اور عیسائیوں کو ہمیشه دشمنی وعناد کے کوچوں سے آشنا کرتا رہتا ہے اورسید کو برا کہتا ہے کیونکه وہ اس کو پاگل جانتے تھے ۔ ایسا شحص بھی سرسید کا آنش کھانا اپنے لئے فخر سمجھا اوران کی تحقیق سے فائدہ اٹھا کر اقرارکرنے پر مجبورہوا کہ مسیح کو واقعی صلیب دی گئی تھی اورقرآن کی آیت کے وہ معنی نہیں جو مسلمان سمجھے ہوئے ہیں مگر افسوس اس سچ کہنے میں بھی اس کی نیت بدنکلی جیسی امیرمعاویه کونماز کے لئے جگادینے والے کی۔

مسلمانوں میں ا یك اورصاحب گذرے ہیں چراغ الدین نامی جموں کے رہنے والے انہوں نے بھی اپنے رساله مناره المسیح میں آیته ماقتلو وما صلبو کی ایك ایسی تفسیر کی ہے جو انجیل شریف کے بیان سے مخالف نہیں۔ مثل سرسید مرحوم کے آپ بھی قائل تھے اور اپنا فرض سمجھتے تھے کہ قرآن شریف کے بیان کو خدا کے کلام سابق کے بیان سے موافق کریں۔ کیونکه ان کی عقل میں یه بات نہیں آسکتی تھی که خدا کا بعض کلام اس کے بعض کلام سے

مخالف ہوسکتا ہے۔ ان کی کتاب میں یہ بحث مفصل ہے[1]

ابھی تک توہم نے صرف مسلمانوں کا ذکر کیا جنہوں نے آیت متنازعہ کی تفسیر انجیل شریف کے بیان کے مطابق کرنا چاہی۔ مگر ان سب لوگوں سے پیشتر ایک عیسائی بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے بائبل مقدس کے ساتھ قرآن شریف کو بھی مان لیا تھا اور جب عیسائی کی طرف سے اعتراض ہواکہ قرآن کیسے ہوسکتا ہے درآنحالیکہ اس میں ایک ایسے اہم تاریخی واقعہ کا صریح انکارکیا گیا۔ انجیل اورتاریخ دنیا کی مخالفت کرکے قرآن کے حق اورمسیح ہونے کی گنجائش کہاں رہی؟ انہوں نے قرآن کی حمایت میں اس آیت کی ایک تفسیر کی۔ اس بزرگ کا نام خرسطفورس جبارہ الدمشقی ہے۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے اس امر میں انجیل وقرآن کو ہم زبان کرنا چاہا وہ سب انہیں کے خوشہ چین ہیں۔

اب ہم اس مسئلہ پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں ۔ قرآن شریف سورہ نساء ع ۲۲ میں جو آیات اس مضمون پر وارد ہیں ان میں مخاطب یہود ہیں اورسوائے ان کے غیر نہیں ۔ عیسائیوں کا یہاں نہ کوئی ذکر ہے نہ اشارہ ۔ دوامور غورطلب ہیں واقعہ صلیب ایک جدا امر ہے اوریہ امر بالکل جدا کہ کس نے صلیب دی اورکیونکر۔ اگر کوئی پہلے واقعہ کا انکار کرے تو دوسرے امر کا انکار لازم ہوجاتا ہے ۔ برخلاف اس کے اگر کوئی دوسرے امر کا انکار کرے تو پہلے واقعہ کا انکار لازم نہیں آتا ان آیات میں جہاں تک ہم غور کرتے ہیں۔ دوسرے امر کا انکار کیا اور وہ بھی صریحاً بمخالفت یہود۔ مسلمانوں نے غلطی سے اس انکار کو اصل واقعہ کا انکار تصور کیا۔

1

پہلا واقعہ ایسا ہے جس پر یہود اورانصارا ے ہمیشہ سے متفق چلے آئے بلکہ غیر اہل کتاب یعنی رومی مورخ بھی اس کی تصدیق کرتے آئے ہیں اورہماری دانست میں اس واقعہ کا قرآن شریف نے بھی انکار نہیں کیا۔ دوسرے واقعہ میں یہودی اورعیسائی مختلف ہیں اور جب قرآن شریف نے یہودیوں کے دعوے کی تکذیب کی توگویا عیسائیوں کے دعوے کی تصدیق کی۔ ورنہ اگر تصدیق منظورنہ ہوتی توجس طرح یہودیوں سے مخاطب ہوکریہ کہا۔ عیسائیوں کو مخاطب بناکر ان کی بھی تکذیب کردی جاتی۔

اگر بزعم اہل اسلام قرآن شریف کو واقعہ صلیب کا انکارمنظورتھا اوریہ امر سب کو معلوم تھاکہ نصاریٰ کا اعتقاد موت مسیح کی بابت کیا تھا۔ توبجائے یہود کے زیادہ سزا وارمخاطبت کے نصاری، ہوتے اورصاف کہا جاتا کہ نہ مسیح اورنہ مصلوب ہوئے تاکہ سب جھگڑے چک جاتے ۔ پس جب نصاریٰ کو مخاطب نہیں کیا نہ ان کے اعتقاد سے تعرض کیا بلکہ مخاطب بنایا یہود کو اورانکے زعم فاسد کا ردکیا توکوئی شک باقی نہ رہا کہ نصاریٰ کے اعتقاد کوبجائے خود رہنے دیا۔

ذرا دیر کے لئے یہودیوں کی طرف سے اوراس آیت کی طرف سے توجہ ہٹائیے اورسوچئے کہ کیسے برجستہ الفاظ میں قرآن نے انجیل شریف کی تصدیق کی اوراس خیال کے ساتھ آیتوں پرنظر ڈالئے انی متوفیك وارفعك الی مطہر من الذین کفر وا۔ اے عیسی میں ضرور تجھ کو وفات دونگا اور اٹھاؤنگا تجھ کو اپنی طرف اور پاك کرونگا تجھ کو ان لوگوں سے جنہوں نے کفرکیا۔ فلما توفیتنی عیسیٰ نے کہا جب تونے اے خدا مجھ کو وفات دی ۔ کون ہے جو کہے کہ ان الفاظ کے بجنسہ وہی معنی نہیں جو عیسائی انجیل پڑھ کر بتلاتے ہیں کہ حضرت مسیح نے وفات پائی اوروفات پاکر آسمان پرصعود فرمایا۔

جس وقت کوئی عیسائی یا کوئی مسلمان جو قرآن کی تصدیق انجیل پر شبہ نہیں کرتا ان آیتوں کو پڑھتا ہے تو اس کو نہ توفی کے معنوں کو حقیقت سے پھیرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے نہ کسی تاویل بعید کے سہارا ڈھونڈھنے کی۔ توفی کے معنی موت ہے اورسیدنا مسیح کی موت پر انجیل شاہد ہے ۔ قرآن نے موت مسیح کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی کہ آپ کس موت سے مرے اوربیان کرنے کیا ضرورت تھی جب اس کتاب میں موت کے طریقے کا بشرح وبسط مذکور ہوچکا جس کی اس نے ایسے کھلے الفاظ میں تصدیق کردی ۔ پس وفات مسیح کے اقرار کے ساتھ واقعہ صلیب کا اقرار لازم آتا ہے۔ اوراگر یہ اقرار قرآن کو منظور نہ ہوتا تولازم تھاکہ وہ کوئی نیا قصہ وفات مسیح کا سنا کر نصاریٰ کو جھٹلاتا ۔

اس سیدھی اورسچی بات کو نہ سمجھنے کے باعث اہل اسلام کیسی کیسی مشکلات میں گرفتارہوگئے۔ برابر مناء فاسد علیٰ فاسد کرتے رہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔"۔ ابن کثیر نے کہا مفسرین کا اختلاف ہے۔ مراد انی متوفیك وارفعك الی سے کیا ہے۔ قتادہ نے کہا اس میں تقدیم تاخیر ہے اصل عبارت یوں ہے انی رافعك الی متوفیك یعنی پہلے رفع ہے ۔ پھر وفات ۔ ابن عباس نے کہا متوفی کے معنی ممیت ۔ وہب بن منبہ نے کہا وفات دی اللہ نے عیسیٰ کو تین ساعت اول روز میں جس وقت کہ ان کو طرف اپنے اٹھایا۔ ابن اسحاق نے کہا نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ سات ساعت وہ مرے رہے پھر زندہ ہوگئے۔ دوسرا قول وہب کا یہ ہے کہ تین دن مرے رہے پھر مرفوع ہوگئے۔ مطروارق نے کہا مراد دنیا کی وفات ہے نہ وفات موت۔ ابن حریر نے کہا مراد توفی سے رفع ہے۔ اکثر اہل علم کا قول یہ ہے کہ مراد وفات سے اس جگہ خواب ہے۔

جومعنی ہم بیان کرتے ہیں اس میں نہ توفی کے معنی بگاڑنے کی ضرورت نہ وفات کو قیامت تک ملتوی کرنیکی ضرورت اورنہ اس خبط میں پڑنیکی ضرورت کہ اوروں کے لئے قیامت تواس لئے ہوگی کہ وہ مرچکے وہ بھی زندہ ہوجائیں۔ مگر مسیح قرب قیامت مرنے کے لئے تشریف لائینگے۔ نہ ترتیب الفاظ کو بگاڑنیکی ضرورت پہلے وفات ہوئی وفات کا ذکر کیا۔ اور وفات کی تفصیل نہیں بیان کی کیونکہ امر مسلمہ فریقین کو سرتا پاتسلیم کرلیا۔ پھر رفع وسماوی ہوا اس کا بھی ذکر کردیا۔ رفع عماوی کا بھی طرز طریقہ وتفصیل واقعات نہیں بیان کی کیونکہ اس کی نسبت بھی جو لکھا ہوا تھا تسلیم ہوچکا۔

ہم مانتے ہیں کہ یہ مشکل ضرور ہے کہ پھر ماصلبوہ کے معنی کیا؟ وفات تسلیم کی ۔ طریقہ وفات کوئی اوربتلایا نہیں توپھر اس فقرے کے کیا معنی ؟ بس اتنی مشکل ہے اوراس کو حل کرنا چاہئیے ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کی اس آیت میں یہود کی تکذیب مراد ہے نہ نصاریٰ کی۔ اب ہم بتلاتے ہیں کہ یہود کا اصل دعویٰ کیا تھا جس کے لئے ان کو نفرین کی گئی۔ یہود کا کوئی نیا دعویٰ ہونہیں سکتا تھا جو وہ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں وہی دعویٰ انہوں نے عہد نبوت میں بھی کیا ہوگا۔ وہ دعویٰ کیا تھا؟ ہم کوان کی پرانی کتابوں سے پتہ لگتا ہے اوربجنسہ وہی دعویٰ وہ آج کے دن تک کرتے چلے آئے ہیں۔ مسلمانوں کو جو غلط فہمی ہوئی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سمجھ رکھاکہ سیدنا مسیح کے صلیب کے مسئلہ میں یہودیوں اورعیسائیوں کاایک ہی دعوی ہے جو یہودی کہتے تھے وہی عیسائی بھی کہتے ہیں۔ اوراگر قرآن نے یہ یہودیوں کا قول رد کیا تو عیسائی کا بھی رد ہوگیا۔

مگر حقیقت الامر بالکل دوسری ہے ۔ تصلیب مسیح کے باب میں جو عیسائی کہتےہیں عین اسی کے برخلاف یہود کہتےہیں ۔ عیسائیوں کا قول بموجب انجیل

شریف یہ ہے کہ یہودیوں نے ہمارے سیدنا مسیح پر رومی حاکم کے روبرو بغاوت کا الزام لگایا۔ چنانچہ حسب قانون وقت رومی عدالت سے آپ پر صلیبی موت کا فتویٰ صادر ہوا اورفرد جرم یہ لگائی گئی کہ آپ نے بہ بغاوت قیصریہودیوں کا بادشاہ بننا چاہا۔ پس آپ شہر یروشلیم میں مصلوب کئے گئے۔

یہودی کہتے تھے کہ عیسی ناصری نے جادوگری کی اوربنی اسرائیل کوگمراہ کیا اس لئے حسب شریعت موسوی اسرائیلی عدالت کے روبرو آپ پر رجم کا حکم صادر ہوا۔ پہلے آپ مقام لودیعنی لیڈیا میں سنگسار کئے گئے پھر بعد وفات آپ صلیب پرلٹکا دئیے گئے اوراس اخیر قول سے ان کی مراد اپنی خباثت کا اظہار تھا اوربڑے فخر سے کہتے تھے ۔کتاب استشنا ۲۱: ۲۲تا ۲۳ کے احکام سیدنا مسیح کی موت و صلیب پر صادق آئے جہاں لکھاہے کہ" اگر کوئی شخص ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو مستوجب سِزائے موت ہے اور وہ قتل کیا جائے اورتو اس کو درخت پر لٹکادے۔۔۔ جو لٹکایا گیا وہ خداکا لعنتی ہے"۔ دیکھو ہرفورڈ صاحب کی کتاب طالمود اورمدراش صفحہ ۸۰ تا ۸۶۔

پس ظاہر ہے کہ معاصرین یہود آنحضرت کے سامنے بھی اپنے اسی دیرینہ جھوٹے فخر سے کہا کرتے تھے کہ اجی تمہارے رسول اللہ عیسی بن مریم کو ہم ہی ہیں جنہوں نے قتل کیا۔ ہم نے اس کو جادوگری کےناپاک جرم میں مارا۔ پہلے ہم نے شریعت موسوی کے موافق اس کو سنگارکیاپھر (نعوذ با اللہ) لعنت کو دائمی کرنے کےلئے اسے کاٹھ پرلٹکادیا۔ اب اگرتوریت حق ہے تو اس کا یہ فتویٰ اس وقت تک اس پر نافذ ہے۔

اس کے جواب میں بہت نفرت کے ساتھ قرآن نے یہ کہہ کرکہ " انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اورانہوں نے اس کو صلیب نہیں دیا"۔ گویا یہ فرمایا کہ وہ کافر ہیں۔ دشمن خدا اور دشمن رسول۔ وہ تو خود رومی بت پرستوں کے

غلام تھے ان کے ہاتھ میں اختیار ہی نہیں تھا۔ انہوں نے ہر گز ہرگز نہ اس کو سنگسار کیا نہ اس کو صلیب دی۔ کوئی موت جو رومی قانون کے تحت واقع ہو اس پر توریتی لعنت کا حکم نہیں ہوسکتا ۔ یہود خود لعنتی ہیں۔ طوق لعنت ان کے اپنے گلے میں پڑا ہوا ہے جو خدا کے برگزیدہ معصوم نبی کو قتل کرانے کی خاطر ایک بت پرست سے ہاتھ جوڑکر بھیک مانگنے گئے۔ پھرکیسی ان کی کوششیں خاک میں مل گئیں۔ جوایذائیں مسیح کو پہنچیں وہ ان کے علو مراتب کا باعث ہوئیں۔ موت ان کی زندگی ہوئی ۔ قبر ان کی فتح ۔ جرم کی معصیت اورلعنت کےسوا یہود کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ ان کی ساری تدبیریں الٹی پڑگئیں۔ دیکھو خدا کیسا زبردست اورحکمت والا ہے۔ مسیح کا مارنے والا خدا تھا نہ یہودی۔ اس کو تواس نےآسمان تک بلند کردیا ۔ ہم پھر تاکیداً کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس سے زیادہ کچھ مقصود نہیں تھا کہ یہود کے جھوٹے فخر کو توڑا جائے اوریہ آیت عیسائی خیالات کے ساتھ پوری مطابقت کھاسکتی تھی۔ چنانچہ مولوی محمد احسن صاحب لکھتے ہیں ۔" پس قرآن کے معنی یہ ہوئے کہ مسیح کو یہودیوں نے ہرگز قتل نہیں کیابلکہ آپ نے اپنی جان خود بخود دیدی تھی"۔ قرآن کی آیت ۔ پس جب تونے مجھ کو موت دی اوراے عیسیٰ درحقیقت میں تجھ کو موت دونگا ۔ حضرت مسیح کی موت پر صریح دلالت کرتی ہیں چنانچہ ایسا ہی بیان انجیلوں میں آیا ہے۔ اورطلحہ بن علی کی روایت جوابن عباس سے ہے اوروہب کی روایت جو تفسیر معالم میں مذکور ہے اس امر کی شاہد ہیں۔ بعد نزول سورہ نساء جس میں آیت ماصلبوہ وارد ہوئی حضرت حاطب بن بلتعہ (جوبدری صحابہ میں تھے) آنحضرت ﷺ کے قاصد ہوکر مقوقش والی سکندریہ کے پاس جو عیسائی تھا نامہ مبارک آنحضرت ﷺ کا لے گئے۔ مقوقش نے ان سے یہ اعتراض کیاکہ اگر تمہارا صاحب نبی ہے تو اس نے کیوں

خدا سے دعا نہ کی کہ اس کو مکہ سے ہجرت نہ کرنا پڑتی۔ اس پر حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضرت عیسیٰ بھی تو نبی تھے انہوں نے کیوں دعا نہ کی کہ دار پر کھینچے نہ جاتے۔ چنانچہ کتاب استعیاب سے مدارج النبوت میں نقل ہوا ہے۔

نہ صرف حضرت حاطب بن بلعتہ نے مقوقش کے سامنے طریقہ صلیب کو تسلیم کیا تھا۔ بلکہ ایک قول حضرت عمر کا بھی ایسا ہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی موت کے اس طرح قائل تھے جس طرح عیسائی ۔ چنانچہ ملل ونحل کے شروع ہی میں (صفحہ ۹ مصری) لکھا ہے کہ قال عمر بن الخطاب من قال ان محمداً مات قتلتہ بیسفی ھذا وانما رفع الی السماء کما رفع عیسی بن مریم یعنی حضرت عمر نے بعد وفات رسو کہا تھا کہ اگر کوئی کہیگا کہ محمد مرگیا تو میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کر ڈالونگا۔ وہ تو آسمان کی طرف اٹھالئے گئے جس طرح حضرت عیسی ابن مریم اٹھالئے گئے تھے"۔ اس روایت کو ابوالفدا نے بھی بیان کیا ہے کہ " مقاضی شہاب الدین ابی الدم اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ بعد وفات پیغمبر خدا پر ہجوم کرکے مجمع ہوا۔ سب لوگ حضرت دیکھتے تھے اور مضطرب اور پریشان ہوکر یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ فوت نہیں ہوئے بلکہ مثل عیسی مسیح کے آسمان پر چلے گئے۔ اور دروازے پر منادی کردی کہ حضرت کو دفن نہ کرنا کیونکہ آپ فوت نہیں ہوئے ۔چنانچہ اسی طرح آپ کا جنازہ رکھا رہا اور دفن نہ کرنے دیا۔" عیسائیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ جسم عنصری کو چھوڑکر سیدنا مسیح روح میں بہشت بریں کو تشریف لے گئے اور یہ جسم زمین پر رہا پھر تیسرے روز آپ زندہ ہوکر اپنے حواریوں سے جسم میں ملے۔شمائل ترمذی میں ہے کہ قبض رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین فمکث ذالک یوم دلیلتہ الثلثا ویوم الثلثا ودفن من اللیل ۔یعنی رسول اللہ ﷺ دوشنبہ کو فوت ہوئے اس روز

رکھے رہے اورپھر منگل کی رات اورمنگل کے دن کو اوررات کو دفن ہوئے ۔

اب اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ سیدنا مسیح کی وفات جمعہ کے دن ہوئے بعد اس کے ہفتہ کی رات بھر اور ہفتہ کا دن اوراتوار کی رات آپ رکھے رہے اتوار کی صبح آپ زندہ ہوگئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے صحابہ کو بھی امید تھی کہ جس طرح حضرت مسیح بعد وفات زندہ ہوکر آسمان پر تشریف لے گئے اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی زندہ ہوکر آسمان پر تشریف لے جائینگے ۔ مگرجب وہ مدت منقضی ہوگوی اورایسے آثار پیدا ہوگئے کہ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ آپ دوبارہ زندہ نہ ہونگے تب آپ کو دفن کردیا ۔ ابوالفدا لکھتے ہیں "۔ روایت صحیح یہی ہے کہ چوتھے روز مدفون ہوئے "۔ پس ظاہر ہے کہ صحابہ کا خیال کسی طرح عیسائیوں کے مخالف نہ تھا جو وہ سیدنا مسیح کی نسبت رکھتے تھے۔ جوکچھ حاطب نے کہا وہ بھی اسی پر دال ہے اورجوکچھ حضرت عمریا دیگر صحابہ نے کہا وہ بھی۔

مولوی محمد احسن صاحب نے فرمایا " حضرت مسیح نے اپنی جان خود بخود دیدی تھی "۔ یہ بالکل انجیل شریف کے بیان سے مطابق ہے۔ سیدنا مسیح نے فرمایا تھا"۔ میں اپنی جان دیتاہوں تاکہ اسے پھر لوں ۔ کوئی اس کو مجھ سے نہیں لے سکتا بلکہ میں آپ اسے دیتا ہوں مجھے اس کے دینے کا اختیار ہے اوراس کےپھیر لینے کا اختیار ہے۔ یہ حکم میں نے اپنے باپ سے پایا" یوحنا ۱۰: ۱۷تا ۱۸، اورجب پلاطوس نے آپ سے کہا۔" کیا تونہیں جانتاکہ کہ مجھے اختیار ہے چاہوں توتجھے صلیب دوں چاہوں توتجھے چھوڑردوں۔ " تو سیدنا وآقا مسیح نے فوراً اس کو جواب دیا کہ" اگریہ اختیار تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو مجھ پر تیرا کچھ اختیارنہ ہوتا" یوحنا ۱۹: ۱۰تا ۱۱۔ اسی کے موافق متی ۲۶: ۲۴ میں آپ کا یہ قول ہے " ۔ انسان کابیٹا توجاتا ہے جیسا اسکے

حق میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلے وہ حوالے کیا جاتا ہے"۔

بجنسہ اسی پہلو سے قرآن شریف نے بھی فرمایاکہ یہود غلط کہتے ہیں کہ" ہم نے مسیح عیسی کو قتل کیا"۔ مسیح کی موت خدائے عزوجل کا فعل ہے اور مسیح کواپنی رضا وخوشی۔یہود کے حصے میں صرف جرم کی معصیت وسیہ کاری تھی۔ فتح وثواب شہادت مسیح کا تھا۔

خاتمہ میں ہم ناظرین کو وہی بات یاد دلانا چاہتے ہیں جو ہم تاویل القرآن میں لکھ چکے ہیں یعنی قرآن شریف کی آیات کی ترتیب میں بے ربطی ہے ۔کیونکہ بعض مضامین جمع وترتیب کے وقت گڑبڑ ہوگئے یا ساقط ہوگئے۔ اس لئے ایسا اوقات بعض مقامات کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے اوربعض آیات باہم مخالف معلوم ہوتی ہے ۔ چنانچہ یہی پیچیدگی مضامین کی ترتیب آیات متنازعہ میں ضرورموجود ہے۔ دیکھو فہما لقنہم میثا قہم سے ایک جملہ شروع کیا پھر اس کو بکفرھم کے ساتھ عطف سے جوڑا اورپھرپے درپے جملہ معترضہ بڑھاتے گئے مگر خبر ندارد ۔جس کے باعث مترجمین بیچ وبیچ میں لقمہ دیتے جاتے ہیں۔ محذوقات کواپنے گمان سے پر کرتے جاتےہیں اوربتلاتے ہیں کہ کم سے کم کچھ الفاظ جو اس فقرے کے مساوی ہوں" ہم نے ان کو پھٹکارا" بطور خبر مخذوف ہیں۔ پس روشن ہے کہ مضمون قرآن سے اس مقام پرکچھ ایسے الفاظ ٹل گئے یاساقط ہوگئے جن کے باعث عبارت بے ربط ہوگئی اوردوسرے مقامات، سے مخالف معلوم ہوتی ہے۔ اورلوگ کچھ کاکچھ سمجھتے پھرے اوربھٹک گئے۔ اوران کو کہنا پڑا۔لا یعلم تاویلہ اللہ ۔ مگر کیا قرآن کی کوئی تاویل صحیح ہوسکتی ہے جو خدا کےپہلے کلام کی ضد میں ہو جس کی تصدیق اس نے ہزار زبان سے کردی؟

قبلہ ونماز

یہودیوں کا دین ایک مقامی دین تھا جس کے لئے ہیکل (بیت اللہ) کا وجود لازمی تھا۔ ان کے دین کے ارکان تھے جو بغیر ہیکل کے ادا نہیں ہوسکتے ۔ اس لئے ارض مقدس میں یہودیوں کا رہنا خدا کی برکت شمار کیا جاتا تھا اور اس زمین سے جلاوطنی سب سے بڑی لعنت ۔ جس کی وجہ سے وہ گویا خدا کی حضوری اور عبادت سے محروم ہوجاتے تھے۔ پردیسی یہودیوں کے لئے بھی جب تک ہیکل بیت المقدس میں موجود رہی لازم قرار پایا تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی اس ہیکل تک پہنچیں اور اپنے دین کو کامل کریں۔ یعنی حج بیت المقدس ہر یہودی پر فرض رہا۔ اور اب جب سے ہیکل برباد ہوگئی ۔ اور قوم جلا وطنی میں جا پڑی ایک طرح سے ان کا دین اور ان کی شرع معطل ہوگئی۔ مگر اب بھی ان پر فرض ہے کہ وہ بیت المقدس کو اپنا قبلہ نماز بنائیں اور امید رکھیں کہ جب یہ لعنت ان پر سے دفع ہو اور دوبارہ خدا کی رحمت ان کی طرف رجوع کرے تو سب سے پہلے بیت المقدس میں ان کا دین جگہ۔ اور پھر سے ہیکل اور شرح بحال ہوں۔

سیدنا مسیح کا دین کسی طرح مقامی اور زمانی دین نہ تھا جو کسی خاص ملک اور کسی خاص وقت کے لئے ہو۔ وہ تمام بنی آدم کا دین ہے اور ہر زبان کےلئے اس لئے وہ مقامی اور زمانی قیود سے پاک ہے۔ نہ اس کی نماز کسی ہیکل کے وجود پر منحصر ہے نہ کسی قبیلہ پر نہ پانی کے وضو پر نہ خاک کے تمیم پر۔ وہ خالص روح کی تیاری پر منحصر ہے ۔ خدا روح ہے اور اس کے پرستار روح اور راستی سے اس کی پرستش کرتے ہیں"۔ خدا ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہیکلوں میں نہیں رہتا" (اعمال ۷: ۴۸) ۔ عام طورپر اس کے سارے برگزیدے اس کی ہیکل ہیں مگر خاص طورپر سیدنا مسیح نے اپنے تئیں خدا کی ہیکل فرمایا۔ اس ہیکل کو ڈھاؤ اور تین

میں اس کو پھر بنا دونگا" یوحنا ۲: ۱۹تا ۲۰)۔ اوراس نے آپ کو سلیمان کی ہیکل سے اعلی فرمایا (متی ۶: ۱۲) پس مسیح خدا کی وہ ہیکل ہے جو دونوں جہان کا قبلہ ہے جس کی طرف سب تاک رہے ہیں ۔بجز روح اللہ کے نہ ہیکل سلیمان روح کا قبلہ ہوسکتی ہے نہ کوئی دوسری ہیکل اورایماندار کامنہ چاہے جس طرف ہو اس کی روح کا رخ ہمیشہ مسیح کی طرف رہتا ہے کیونکہ وہ اندیکھے خدا کی صورت ہے (کلسیوں ۱: ۱۹) وہ خدا کا چہرہ ہے وہ وجہ اللہ ۔ وجہیاً فی الدنیا والاخرہ اوریہی وہ راز ہے جو رسول مقبول کے اس سخن میں پوشیدہ ہے۔ خدا نے اسے بہت سربلند کیا اوراسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلی ہے تاکہ سیدنا مسیح کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے خواہ وہ آسمانیوں کا ہو خواہ انکا جو زمین کے نیچے ہیں(فلپیوں ۲: ۹تا ۱۰)۔ اس مسئلے پر ایک سماری عورت اورسیدنا مسیح کے درمیان یہ سوال وجواب ہوئے۔ ہمارے باپ دادوں نے اس پہاڑ پر پرستش کی لیکن تم کہتے ہوکہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنی چاہیے ۔یروشلیم میں ہے۔ سیدنا مسیح نے اس سے فرمایا ۔ اے عورت میری بات کا یقین کروکہ وہ وقت آتا ہے بلکہ اب ہی ہے کہ سچے پرستار پروردگار کی پرستش روح اور سچائی سے کرینگے۔ کیونکہ باپ اپنے لئے ایسے ہی پرستار ڈھونڈتا ہے خدا روح ہے۔ اورضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اورراستی سے اسکی پرستش کریں" (یوحنا ۴: ۲۰تا ۲۴)۔

اب جب ہم اسلام کو دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ عملاً تو وہ یہودیت کے دائرے سے باہر نہیں آیا۔ مگراس کی ابتدائی کوشش ایسی معلوم ہوتی تھی کہ وہ یہودیت سے اپنا پنڈ چھڑا کے عیسویت کی طرف آنا چاہتا ہے ۔ مگر ایسے اسباب کا سامنا پڑگیا کہ وہ پوری طرح یہودیت سے آزاد نہ ہوا اورعیسویت تک بھی نہ پہنچا بلکہ ایک درمیانی مقام میں اٹک رہا اوراس کے ایمان وعمل باہم متبائن رہ گئے۔

مسلمان پر فرض ہے جہاں کہیں ہوں نماز میں کعبہ کی طرف منہ پھریں وحیث ماکنتم فولوا وجوھکم شطرہ جہاں کہیں ہو اپنے منہ مسجد حرام کی طرف پھیرو۔ ان پر فرض ہوا کہ جب ممکن ہوسکے ایک دفعہ کعبہ کا حج کریں۔ غرضکہ مسلمانی کے لئے کعبہ کا وجود ایسا ہی لازم ہوگیا۔ جس طرح یہودیت کے لئے ہیکل کا وجود تھا حتیٰ کہ اہل قبلہ مترادف ہوگیا اہل اسلام کا۔

بجنسہ یہی شرع یہود کی ہے " کوئی شخص نماز نہ کرے مگر ایسے مکان میں جس میں جھروکے یا روشندان بیت المقدس کی طرف کھلے ہوئے ہوں"۔ یہ خیال غلط ہے کہ یہودیوں کا قبلہ مشرق کی طرف ہے انکا قبلہ بیت المقدس ہے ۔ جولوگ بیت المقدس سے مشرق کی طرف بستے ہیں ان کو قبلہ رخ ہونے کے لئے مغرب کی طرف پھرنا پڑتا ہے۔ مگر جو لوگ خاص بیت المقدس میں رہتے ہیں ان کو کسی خاص سمت پھرنے کی ضرورت نہیں وہ ہر رخ نماز پڑھ سکتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ شروع اسلام میں یعنی جب تک آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے حسب رواج اہل کتاب بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایا گو اس میں مابعد علماء نے باریکی نکالی کہ آپ مکہ میں ایسے رخ سے نماز پڑھتے تھے کہ کعبہ کی طرف بھی منہ ہو اور بیت المقدس کی طرف بھی منہ رہے۔ چنانچہ روایت ابن عباس یہ ہے ۔ کان رسول اللہ ﷺ وھو بمکہ نحو بیت المقدس والکعبتہ بین یدیہ وبعد ماتحول الی المد ینتہ ستتہ عشر شہراً ثم صرف الی الکعبہ ۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے تو آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور کعبہ آپ کے روبرو رہتا تھا اور جب مدینہ کو ہجرت کرگئے تو ۱۶ ماہ تک اسی قبلہ پر رہے ۔ پھر کعبہ کی طرف پھرے۔ حالانکہ مقصود اصلی بیت المقدس کو قبلہ بنانا

تھا۔ لیکن جب آپ مدینہ تشریف لے گئے توکعبہ اوربیت
المقدس کے رخ ایک دوسرے کے برخلاف ہوئے اور
حضرت نے ڈیڑھ برس تک برابر پشت برکعبہ اورروبہ
بیت المقدس نمازپڑھی۔ابن ہشام بیعتہ عقبہ کے تذکرے
میں براء ابن مبرورکا بیان کرتے ہیں کہ مسلمان ہوجانے
کے بعد اس کو اس بات پر اصرار تھاکہ نمازکعبہ کی طرف
پڑھا کرے اوریہ اس بات میں ان لوگوں کی مخالفت کرتا تھا
جو شام کی طرف نمازپڑھا کرتے تھے اورکہتے تھے کہ یہی
طریقہ حق ہے کیونکہ آنحضرت بھی شام کو اپنا قبلہ بنائے
ہوئے ہیں۔ پس براء مدینہ سے مکہ کوآیا اوراس معاملے کو
خودآنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا تب آپ نے اس کو
سمجھایاکہ "اگروہ تو اپنے پہلے ہی قبلہ پر رہتا یعنی بیت
المقدس پرتوبہترتھا"۔ چنانچہ براء نے کعبہ سے منہ موڑ
کرشام کواپنا قبلہ بنالیا۔ ہم بتلاچکے کہ یہودی توبطور فرض
کے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بناتے تھے مگرعیسائی محض

تقلید سے اورعادتاً کیونکہ ان کی نمازکے لئے جیسا سیدنا
مسیح کےکلام سےثابت کیا گیاکسی قبلہ کی ضرورت نہ تھی ۔
پھربھی چونکہ مشرق میں سیدنا مسیح کاستارہ دیکھا گیاتھا
اورسیدنا مسیح کی پیدائش وحیات ووفات وقیامت سب
ارض مقدس میں ہوئیں اس لئے مشرق اوراس ملک کی
طرف منہ پھیرنا ان کو محبوب رہا مگرنہ بطور فرض ۔ اوراگر
آنحضرت ﷺ نے بھی اسلام میں آنے کے بعد بیت
المقدس کو ۱۴برس تک قبلہ بنایا تو وہ بھی محض
عیسائیوں کی دیکھا دیکھی کیونکہ آپ جب بت پرستوں سے
جدائی اختیارکی توکعبہ سے بھی جو بتوں کا مندربنا ہوا تھا
ضرور جدائی اختیار کی ہوگی اور ورقہ وغیرہ جوناصری
عیسائیوں میں سے معلوم ہوتےہیں جن کے دین کا بڑا جزو
یہودیت تھی اوردیگرموحدین جو اس وقت موجود تھے
اورجوآپ کے ہمدرد تھے جس قبلہ پر وہ تھے آپ بھی فطرتاً
وطبعاً اسی قبلہ کو محبوب رکھتےہونگے ۔ پس یہ اسباب تھے

جوآپ بیت المقدس کو اپنا قبلہ ایک مدت تک بنائے رہے یعنی اس وقت سے کہ آپ نے نماز پڑھنا سیکھی اورخدا کی عبادت کرنے لگے۔

اسلام کی ابتدائی نمازکیا تھی اس کو دریافت کرلینا بہت مشکل ہے اورابتدا میں اسلام نے کسی نمازکو مقرر نہیں کیا بلکہ ان نمازوں میں سے کسی نمازکو اختیارکرلیا تھا جو خدا پرست عربوں کے درمیان مروج ہوچکی تھیں۔ جب مکہ میں اسلام کا اپنا کوئی طریقہ اورکوئی دین ظاہر نہیں ہوا تھا اس وقت خدا پرستوں کے اور جتنے متفرق طریق تھے وہ یایہودیت کے مشابہ تھے یاعیسائیت کے یا ان دونوں کے بین بین۔ کوئی چوتھا طریقہ نہ تھا جو حضرت اختیارکرسکتے۔ بلکہ ہم یہاں اس زمانے کے حال پر سوچ رہے ہیں جو اسلام کے بھی قبل تھایعنی حضرت ﷺ کے دعوے نبوت کے قبل اورجو طریقہ آپکا مابعد ۱۳برس تک رہا جوآخری زمانہ مکہ میں رہنے کا تھا وہ طریقہ بالکل اسی طریقے کاایک سلسلہ تھا جو قبل سے حضرت نے اختیار کر رکھا تھا ۔آپکی نماز بھی بالکل وہی تھی جو رائج تھی۔ اوروہ نماز ضروراس سے جدا تھی جو مدینہ کے زمانے میں حضرت نے اختیار کی جس سے اپنے طریق اسلام کو دوسرے مروجہ طریقوں سے ممتازکرلیا۔ ہم صرف مکہ کے اسلام کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں جوبلا ملونی تھا۔ ٹھیٹھ اسلام وہی تھا اورجواسلام اب رائج ہے۔ اورجومدینہ کے اسلام کے نقشے پر ہے یہ اصلی اسلام نہیں بلکہ وہ اسلام ہے جس میں دین اوردنیادونوں ملادئےگئے ہیں اورجو ایک طرح دین اوردنیا دونوں میں خلل ڈالنے والا ہے اورسچے اسلام کو بطور نقص عارض ہوگیا ۔ جس نے نبوت کو بادشاہی بنادیا اورپیغمبر کو امیر۔ اس کے متعلق ایک روایت ہے کہ ۔ حضرت ابوذ غفاری کی جس سے یہ مسئلہ بلکل حل ہوجاتا ہے (ابواب فضائل فضیلت ابوذر ۔ مسلم) ابوذ ر کہتے ہیں قد صلیت یا ابن اخی ان لقی رسول

ﷺ بثلاث سنین قلف لمن قال للہ قلت فاین توجہ قال اتوجہ حیث یوجہنی ربی اصلی عشاء۔" میں رسول ﷺ سے ملنے کے تین برس پہلے سے نماز پڑھا کرتا تھا۔ راوی نے پوچھا نماز کس لئے پڑھتے تھے کہا اللہ کی نماز۔ پوچھا منہ کدھر کرتے تھے جواب دیا جدھر خدا میرا منہ کردیتا تھا ۔ میں عشاء کی نماز بھی پڑھتا تھا"۔ یہاں معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز اوردوسری نمازیں ان لوگوں میں قبل ازسلام رائج تھیں اورنماز کے وقت جدھر چاہتے منہ کرتے۔ کسی قبلہ کے پابند نہ تھے۔

یہ لوگ بت پرستی سے بیزار تھے اوران کے درمیان طریقہ سلام السلام عیک تھا۔ اورلوگ ان کو صابی کہتے تھے ۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ میں ہے کہ جب ابوذ غفاری کا بھائی انیس آنحضرت سے مل کرواپس آیا۔ تواس نے بھائی کو یہ خبر دی۔ لقیت رجلا بمکہ علےٰ یزم ان اللہ عزوجل ارسلہ قلت فما یقول الناس قال یقولون شاعر کا هن ساحر۔ کہ میں مکہ میں ایک ایسے شخص سے ملا جو تیرے دین پر ہے۔ اورگمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو بھیجا ہے ۔ ابوذ غفاری نے پوچھا کہ لوگ اس کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ بولا لوگ کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے یاکاہن ہے یا ساحر ہے۔ اب جب بھائی سے ابوذرغفاری نے یہ خبرپائی کہ آنحضرت میرے دین والے ہیں تواس کوبھی شوق ہواکہ آپ سے ملے اوراس نے آپ کی تلاش اس طرح کی کہ لوگوں سے پوچھا این ھذا الذی قد عرنہ الصابی۔ فاشارانی فقال الصابی۔ وہ شخص کہاں ہے جس کوتم صابی کے نام سے پکارتے ہو۔ مگرجس کم بخت سے پوچھا وہ دشمن نکلا اس نے پکاردیا کہ یہ تو صابی ہے اورلوگ پل پڑے اورابوذ غفاری کوپیٹ ڈالا۔ پھرابوذرغفاری کہتےہیں کہ جب میں حضرت ﷺ سے ملاتو سب سے پہلے میں ہی نے آپ السلام علیک کہا۔

اس وقت خاص اسلام میں نماز کے لئے کوئی قبلہ مقرر نہ تھا اور جو طریقہ اس ابتدائی اسلام کا تھا اس میں اور صابی طریقے میں کچھ فرق نہ تھا۔ ابوذ غفاری کہتے ہیں کہ میں اسلام سے پہلے نماز پڑھا کرتا تھا اور نماز اللہ کے لئے پڑھا کرتا تھا اور جدھر چاہتا منہ کرلیتا۔ قبلہ کا پابند نہ تھا۔ دیکھو قرآن میں بھی لکھا ہے ۔ لیس البران تو تواجو ھکم قبل المشرق والمغرب وہ للہ المشرق المغرب فانیما تو تو افتم وجہ اللہ ۔ توبت کی کتاب ۳: ۱۱۔ میں لکھا ہے کہ رغویل کی بیٹی نے "کھڑکی کی طرف دعا کی" ۔ عبرانی میں " خدا کے منہ کی طرف " ۔ یعنی یہودی محاورہ میں قبلہ کو خدا کا منہ کہتے ہیں ۔ اور روبہ قبلہ ہونا گویا خدا کے منہ کی طرف منہ کرنا کہلاتا تھا۔ اسی خیال کی اصطلاح یہاں منظور ہے کہ جدھر منہ کرو خواہ مشرق کو یا مغرب کو اسی طرف خدا کا منہ ہے۔ یہی تواصل روحانی طریقہ تھا اوریہی روحانی نماز تھی بالکل سیدنا مسیح کے دین کی نماز ہے اور خالص اسلام نے جس کو قبول کرلیا تھا ۔ مگر اب جو طریقہ رائج ہے وہ اس سے جداگانہ ہے۔ نماز کے اوقات مقرر ہیں۔ ان اوقات پر نماز پڑھنا چاہیے اس کے آداب ، رکوع وسجود وقیام وقعود بھی مقرر ہیں۔ اس کے لئے قبلہ بھی لازمی ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پچھلے احکام کا رخ بھی اسی ابتدائی اسلام کی طرف ہے اور پچھلے احکام روح کو زیر بار کئے ہوئے ہیں جس سے نماز کا اصلی منشا فوت ہوجاتا ہے ۔ اس لئے گو نماز برابر فرض رہتی ہے کبھی ساقط نہیں ہوتی مگر پھر بھی شرع نے بعض حالات تسلیم کئے ہیں جن میں رکوع وسجود دوقیام وقعود کے بغیر نماز ادا ہوجاتی ہے ۔ اوقات نماز میں بھی فرق ہوجاتا ہے کہ تین ہی رہ جاتی ہیں۔ بعض حالات میں سمت قبلہ بھی لازمی نہیں رہتی۔ جیسے دریا کے سفر میں گھوڑے کی سواری میں یا جب دھوکا ہوجائے ۔ پس نماز اور قبلہ کے احکام میں اسلام وعیسویت کے درمیان یہ بڑا فرق ہے کہ عیسویت نے تو

شروع سے وہ طریقہ اختیار کرلیا جو سب سے افضل تھا اوراسی پر برقرار رہی۔ مگر اسلام نے کئی رنگ بدلے۔ سب سے افضل کو اختیار کرکے اس سے تنزل کیا۔ پھر ایک درمیانی طریق اختیار کیااورپھر اسی اصلی طریق کی طرف رخ کیا۔ بلکہ یہ حکم جو ہے وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ (سورہ ہود ۱۱۳) نماز پڑھ دن کے دونوں سروں پر یعنی صبح وشام اورکچھ حصہ رات میں۔ اس میں پنجگانہ نماز کے مقابل زیادہ وسعت تھی اور عیسائیوں کی نمازوں سے زیادہ مشابہت ۔پھر بھی ناظرین کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ باوجود اس تمام ظاہری تخالف کے ایک جہت سے اسلامی اور عیسوی نماز وقبلہ میں فرق ہے کیونکہ عیسوی اور روحانی تعلیم کے موافق عیسائی ہر وقت نماز کرسکتا ہے حتیٰ کہ ان پانچ مقرری وقتوں میں بھی جو اسلام کا معمول ہے اوروہ ہر سمت کو اپنا قبلہ بناسکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کعبہ کی طرف بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ دقت جو کچھ ہوگی وہ مسلمان کو کیونکہ اس کی نماز میں خالص روحانیت کی رعایت نہیں رکھی گئی اس کا سمت قبلہ ایک ہے۔ اوروہی ایک ہے ۔ نماز کے وقت وہ سورج کے ٹھکانہ کے کھوج میں ہوتا ہے یاقبلہ نما سے مدد لیتا ہے اورچاہتا ہے کہ کعبہ میری ناک کی سیدھ پر رہے۔ اس کی نماز کے اوقات بھی معین ہیں۔ نماز قضا ہوجاتی ہے ۔ مگر عیسائی کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی۔ وہ روبہ قبلہ ہوتا ہے۔ مگر تعیین قبلہ میں پریشان ومضطرب نہیں رہتا۔ وہ سجدہ کرتا ہے ۔ رکوع کرتا ہے مگر ان کے شمار میں سرگرداں نہیں رہتا۔ نہ اُس کو قضا پڑھنے کی ضرورت ہے نہ سجدہ سہوکرنے کی۔ پس دیکھ لو افضل طریق وہی ہے جو عیسائیوں کی عبادت کا ہے۔ وہی طریق دنیا کی تمام قوموں کو ہوجائیگا۔ مگر جن دین میں اسلام کی سی ظاہری پابندی ہے وہ عام گیر دین ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عیسویت میں ہرجگہ خدا کا منہ ہے ہر وقت نماز ہے ۔ جس کے لئے کوئی وقت وکوئی جگہ

مکروہ نہیں۔ پس گو قرآن شریف کہتا ہے فاینما تولوافثم وجه
الله مگر علماً اس کے خلاف ہم یہ صداسنتے ہیں کہ خدا کا
منه صرف کعبه کی طرف ہے۔ خبردارکسی اور سمت خدا کا
منه مت دیکھو۔ اوریہ ایک منطقی سقم ہے ایک روحانی
کمزوری بلکه تضاد جو اسلام میں رہ گیا جس سے عیسویت
پاک ہے اورشائد مکه کا اسلام بھی پاک تھا۔

قادیانی محاسب اورسیدنا مسیح کے شاگردوں کی تعداد

سرسید احمد مرحوم نے اپنے آخری مضمون ازدواج
مطہرات میں سیدنا مسیح کے مریدوں کی تعداد کی نسبت
ایک بڑی غلطی کی تھی۔اُنہوں نے لکھا تھا۔" حضرت عیسیٰ
علیه السلام کی ابتدائی عمر کازمانه مہاجرت میں گذرا
اوراخیر زمانه کچھ بہت طویل نه تھا کیونکه صرف ۳۳برس
کی عمر میں آپ نے وفات پائی ۔ اُس وقت تک صرف ستر
آدمی آپ پر ایمان لائے تھے"۔ قادیانی فرقه نے سرسید کے
تمام خیالات کو مسخ کرکے سرقه کرلیا اورآخری فقرہ کی
غلطی کوآمنا صدقنا کہه کر قبول کرلیا اوراپنی بنالیا۔

ہم ضربتِ عیسوی[1]میں دکھلاچکے ہیں کہ سیدنا
مسیح کی موت کے بارہ میں مرزا نے بالکل سرسید کے

خیالات نقل کرکے صرف خان یار کی قبر کا اضافہ کردیا یہ بات مشور ہے کہ عادی چوراورڈاکو مال مسروقہ کی حیثیت تبدیل کردیتے ہیں کہ شناخت نہ ہوسکے۔ اکثر ان میں کوئی نقص پیدا کردیتے ہیں نہ بجنسہ یہی حال مرزائیوں کا ہے۔ وہ سرسید کے عمدہ خیالات میں اپنی حماقت ، تعصب اور خباثت کو ملا کر اپنی چوری چھپانا چاہتے ہیں اوران کی غلطیوں کو اور بھی بھونڈا اور بدنما کرکے ایجادبندہ بتلاتے ہیں۔

سیدنا مسیح کے سوانح میں کئی امر حیرتناك ہیں جن کی نظیر دنیا کے کسی مصلح کی حیات میں نہیں ملتی۔ آپ کی کل عمر ۳۳برس کی تھی جس میں آپ کی تبلیغ کا زمانہ ایك یا ڈھائی برس کے اندراندر رہےاورعیسائیت کی یہ عظیم الشان سلطنت جس نے تمام جہان کے مذاہب کو اپنی تعداد اپنی تہذیب اپنی فتحمندی اوراقتدار سے نیچا کر رکھا ہے اُسی قلیل مدت کا نتیجہ ہے۔ مہاتما بُدھ نے پچاس برس تبلیغِ دین کی۔ حصرت محمد نے تئیس برس۔

مصلحین نے اپنے دین کو ایك ظاہری کامیابی کی حالت میں چھوڑا۔ ترقی کی راہ میں رواں۔ پھر اگر اُن کے دین کی ترقی ہوئی تو توقع کے موافق۔ بُدھ نے اپنے شاگردوں کے درمیان اسّی برس کی عمر کو پہنچ کر عافیت کے ساتھ انتقال کیا۔آنحضرت نے عرب کے قلب کو اپنی زندگی میں فتح کرلیا۔ اوربُت پرستی کے زور کو توڑکر ملك کے نہایت مضبوط حصہ کو مسلمانی کی حالت میں ایك فوج ظفر موج کے ساتھ چھوڑا۔ یعنی عین عروج کےوقت وہ اس جہان سے اپنے دین کو نفرت کی راہ میں لگاکرگئے۔

عیسویت کی حالت بلکل برعکس ہوئی اُس کے مولا نے دشمنوں کی فتح کے نعروں کے درمیان صلیب کے اوپر اپنی جان دی۔ دنُیا کی سب سے طاقتور سلطنت کو اپنے خلاف اورا پنی عداوت پر کمربستہ دیکھا اوراپنے شاگردوں کو

منتشر اورسراسیمه اوربقول مرزا (ریویو ماہ مئی ۱۹۰۷ء) " جس کو یہودیوں نے ذلیل ورسوا کیا اوراس کی کچھ پیش نہ گئی "۔ اوراُس کی طاقت کا یہ حال ہواکہ عدالتوں میں گھیسٹا جائے اُس کے منہ پر تھوکا جائے کوڑے لگائے جائیں اورآخر گلے میں پھانسی کارسہ ڈالا جائے"۔ چوروں اورڈاکوؤں کے ساتھ ایک مسیحیت کے دعویدار کو صلیب پر لٹکانے کا حکم حاکم وقت سے ملا تھا اوراُس نے چپکے سے اُسے قبول کیا اوراس کے منہ پر تھوکا گیا اور وہ کچھ نہ کرسکا اورکوڑے لگائے گئے اورسارا سلوک بدترین مجرموں کا سا کیا گیا اورآخر ہاتھوں میں کیل ٹھونکے گئے اورصلیب پر لٹکایا گیا"۔

مرزا نے سیدنا مسیح کی شہادت کے واقعات کو بہت مزا لے کر اور مسرت کے ساتھ بیان کیا اوراُن لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہوا جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے کانٹوں کا تاج گوندھا تھا اورہمارے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ شخص مسیح الدجال کے دُور کے رشتہ داروں میں ضرور ہے۔ انہیں واقعات کو ہم نے بھی نقل کیا ہے۔ مگر دل کے درد کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر کر واقعات تو سچ ہیں مگر اُن کے بیان میں اوربیان کرنے والوں میں فرق ہوتا ہے ہم اُن کو اس دل اوراُس زبان سے بیان کرتے ہیں جس سے اہلِ بیت کے چاہنے والے معرکہ کربلا کی مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں مگرمرزائی اُس دل سے جس سے یزید اوراُس کے ہواخواہوں نے وہ ستم کئے تھے۔ یزیدیوں نے وہ تمام کوششیں کرڈالیں جو اہلِ بیت کا مبنس ناس کرنے کے لئے مہم میں آسکتی تھیں مگر خداکوکچھ اورمنظور تھا۔ سادات برقرار رہے مگر یذیدیوں میں سے کسی کا پتہ نہیں اورہم کو اس میں خدا کی قدرت نظر آتی رہی ہے۔ اور اگر خداوند مسیح کے دین کو مٹانے کےلئے رومی حاکم اوریہودی مرزائے قادیانی کو بھی اپنے مشورہ میں لیتے توبھی کوئی بہتر یا نئی تدبیر نہ نکلتی۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو وہ دین ابتک برقرار رہے۔ مسیحیت کا لقب دنیا نے اُسی " دعویدار" کو دیا جو

مستحق تھا اگرچہ وہ " چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ" مارا گیا اور ہر جھوٹا دعویدار دجال اور کذاب بن جاتا ہے۔ اور یہ بھی شانِ مسیحائی ہے کہ سب سے بڑا فخر جو دشمن اپنے لئے سمجھتا ہے یہی ہے کہ کوئی اُس کو مثیلِ مسیح کہے۔

تاریخ میں کسی دیر پاتحریک کا آغاز ایسی بے سروسامانی کے ساتھ نہیں ہوا جیسی عیسویت کا آغاز اور نہ اُس کا انجام اُس رسوائی میں ہوا جو خدا کو اس دین کی ابتدائی حالت کے لئے منظور ہوئی ۔ اسی کے آسمانی دین ہونے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اُس کا نشوونما کسی زمینی چیز کی طرح نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ سیدنا مسیح نے اپنے دین کے مددگار ایسے لوگ منتخب کئے جن کا شمار لوگوں میں نہیں ہوسکتا تھا جن کی شان میں مرزا یہ لکھتا ہے " گیارہ جاہل ناخواندہ ماہی گیر" جو مچھلیاں پکڑتے پکڑتے ساتھ ہولئے۔

کہتے ہیں کہ کسی ولی نے اپنے مریدوں کی اطاعت فرمانبرداری اور عقیدت کا امتحان لینے کو انہیں حکم دیا کہ باغچہ میں جاکر فلاں قسم کے پودوں کو لگادو اور ہدایت کی کہ زمین کھود کر جڑ اوپر پتے نیچے کرکے پودا گاڑنا۔ اور پھر کھولتا ہوا پانی تھالے میں بھرنا۔ یہ سن کر سبھوں نے اعتراض کیا کہ کوئی پودہ اس طرح زمین میں نہیں لگ سکتا۔ اُن میں صرف ایک ایسا نکلا جو بلا چُون وچرا جاکر مرشد کے حکم کی تعمیل کرنے لگا اور اُس نے ولی کی کرامت دیکھی اور قائل ہوگیا۔ع

به مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید

بجنسہ یہی حال عیسویت کے نشوونما ہوا کہ لوگ ہنستے رہے اور اُس وقت ہنسنا بیجا نہ تھا۔ مگر جو نتیجہ دکھ چکنے کے بعد بھی وہی بڑھا نکتے اور مچھلیاں پکڑنے والوں پر ہنستے ہیں۔ پھر بھی ماہی گیروں کے مرُشد کے مثیل بننے کی آرزو رکھتے ہیں ہم اُن کو شاباش کہتے ہیں ۔ع

بے حیا باش ہرچه خواہی کن

ایک اورحیرت ناک بات بھی ہے جس کی نظیر دنیا میں پیش کرسکتی۔ عیسائی لوگ تین سو برس تک انتہا درجہ کی ذلت اور خواری میں بسر کرتے رہے موت اور قید اور رسوائی ہی دنیا میں اُن کا بخرہ رہا جو کھیت خداوند نے جوتا اُس کو اپنے خون کے قطروں سے بویا اورگیارہ ماہی گیروں نے اُس کو اپنے اورمرُیدوں کے خون سے تین سو برس تک سینچا جس کی بدولت یه کھیتی خوب لہلہارہی ہے۔ او روہی عیسائی جنہوں نے دنیا کو لات ماری تھی آج ہیں که دنیا اور مافہیا اُن کے قدموں سے لپٹی ہوئی ہے اورانہوں نے بے مانگے وہ بھی پالیا جس کے باعث وہ اہل عالم کے شک بنے ہوئے ہیں حتیٰ که اُن کی شان میں بھی صادق آیا۔ وجہیا فی الدنیا والاخرۃ۔

مرزا لکھتا ہے که یا لکھواتا ہے (وہی مئی کا ریویو پادری صاحبان کی تہذیب) کبھی یه بھی سوچا ہے که غیراقوام میں آپ کے فرضی خدا پر اُس کی زندگی میں کتنے ایمان لائے تھے۔۔۔۔ تم یہودیوں میں سے ہی اپنے فرضی خدا کے اتنے پیرودکھا دوجو اس فرضی خدا کو حوالات میں دینے کے وقت بھاگ نه گئے ہوں اورایمان پر ثابت قدم رہے ہوں اور انکار نه کردیا ہو"۔ ہم یہاں صرف خداوند کے مرُیدوں کی تعداد کی نسبت لکھینگے اوراس امر کا بارِثبوت مرزا کے اوپر ہے که سوائے مقدس پطرس کے کسی اور نے بھی انکارکیا یا یہود کے سوا کوئی اورایمان پر ثابت قدم نه رہا۔ ہم کو معلوم ہوگیا که قادیانی کے ذہن میں سرسید کی وہ بات جم گئی که سیدنامسیح کے مریدوں کی تعداد" صرف سترآدمی" تھی اورہم اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔

سیدنا مسیح کے شاگردوں کی کوئی مردم شماری نہیں ہوئی تھی جس کی رُو سے اُن کا صحیح شمار واعداد بتلایا جائے۔ لیکن قرائن موجود ہیں جن کی بناء پر ہم کہه سکتے ہیں که ایک یا ڈھائی برس کی قلیل مدت میں آپ نے

یہودیوں اورغیریہودیوں کے درمیان بے شمارمرید بنالئے تھے جن کی مجموعی تعداد نے اُن کو ایک پولٹیکل وقعت بخش دی تھی جس کے باعث اُس زمانہ کی سب سے طاقتور سلطنت نے اُس کے خلاف اپنا سارا زورلگادینا اپنا فرض سمجھا محض اس اندیشہ سے مبادا یہ لوگ قوت پکڑ کر سلطنت کو خطرہ میں نہ ڈال دیں اوراس نے یہ خطرہ برابر تین سوسال تک محسوس کیا حتیٰ کہ روم اوراس کی سلطنت سیدنا مسیح کی غلامی میں داخل ہوگئی ۔

۱۔ سیدنا مسیح سے پہلے یوحنا اصطباغی یعنی حضرت یحییٰ کی بشارت تھی جس کا نتیجہ بطور خلاصہ انجیل شریف میں یہ بیان کیا گیا ۔ اُس وقت یروشلم اور سارے یہودیا اوریردن کے گردونواح کے سب لوگ نکل کر اُس کے پاس گئے اوراپنے گناہوں کا اقرار کرکے دریائے یردن میں اُس سے بپتسمہ لیا" (متی ۳: ۵، ۶) اس سے روشن ہے کہ ملک کا ملک حضرت یحییٰ کی طرف امنڈآیا تھا اوراُن سے بیعت کرنے لگا تھا ۔ چنانچہ مسیح نے بھی فرمایا ہے" سب لوگوں نے یہ سن کے اورمحصول والوں نے خدا کی تصدیق کی او ریوحنا کا بپتسمہ لیا(لوقا۷: ۲۹) چنانچہ " منکر لوگ یوحنا کے مرُیدوں کے سامنے آپ سے انکارکرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ اگر کہیں تو سب لوگ ہمیں سنگسار کرینگے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ یوحنا نبی تھا۔ (لوقا ۲۰: ۶) بلکہ ہیردویس کو یہی خوف لگاہوا تھا اوروہ ہر چند اُسے قتل کرنا چاہتا تھا۔مگر عام لوگوں سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ اُسے نبی جانتے تھے (متی ۱۴: ۵)۔

جب مقدس یوحنا نے برملا سیدنا مسیح کی تصدیق کردی تو یہ تمام مرید جو یوحنا فراہم کرچکے تھے۔ سیدنا مسیح کے مریدوں کے دائرہ میں داخل ہوگئے اورخود اپنے مرُشد کی وصیت سے مسیح کو وراثت میں ملے اور جب یوحنا کے بعض شاگردوں نے آکرآپ سے کہا" اے ربی جو شخص یردن کے پار تیرے ساتھ تھا جس کی تونے گواہی دی

ہے ۔ دیکھ وہ بپتسمہ دیتا ہے اورسب اُس کے پاس آتے ہیں یوحنا نے خوشی سے جواب دیا" میری یہ خوشی پوری ہوگئی ضرور ہے کہ وہ بڑھے اورمیں گھٹوں "(یوحنا ۳: ۲۶تا ۳۰) ہم اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ کیسی بڑی تعداد یوحنا کے شاگردوں کی تھی جو سب کے سب مسیح کے شاگردوں میں مل گئے ۔ جن کی تعداد کو دیکھ کر یہودی علماء اورہیرودیس بادشاہ بھی خوف کھاتے تھے ۔

۲۔ مگر مسیح کے شاگرد وہی نہ ہوئے جو یوحنا کے شاگرد تھے بلکہ اُن کی تعداد روز افزوں بڑھنے لگی اوراس کا عام چرچا ہونے لگا حتیٰ کہ " فریسیوں نے سنا کہ یسوع یوحنا سے زیادہ شاگرد کرتا اوربپتسمہ دیتا ہے۔ گو سیدنا مسیح آپ نہیں بلکہ اس کے شاگرد بپتسمہ دیتے تھے"(یوحنا ۴: ۱تا ۲)۔

۳۔ سیدنا مسیح کے شاگردوں کی تعداد کا اندازہ کچھ اس بات پر غور کرنے سے لگ سکتا ہے کہ آپ کی زیارت کرنے کو اورآپ کے وعظ سننے کو لوگ کس دُوردُور سے س فر کی صعوبتیں اٹھا کر جوق درجوق سر کے بل دوڑتے ہوئے جنگل پہاڑوں اور دریاؤں میں آپ کو کھوجتے ہوئے جمع ہوتے تھے۔ اُن کےکلام کی تاثیر کیسی حیرت انگیز تھی کیونکہ وہ کلام دراصل خدا کا کلام تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کی گرفتاری پر مامورہوئے تھے وہ ناکام واپس ہوکر اپنے آقاؤں کے رُوبرُو اقبال کرتے تھے کہ اس کی آدمی کی طرح کبھی کسی نے کلام نہیں کیا۔(یوحنا ۷: ۴۵) اس ہجوم کے ساتھ لوگ آپ کا کلام سننے کو آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے کہآپ کو بارہا کشتی کے اوپر دریا کے اندرپناہ لینا پڑی۔ اور آپ کشی میں بیٹھ کر دریا کے کنارے کھڑے ہونے والوں کووعظ کرتے تھے" جب بھیڑ اِس پر گری پڑی تھی اورخدا کا کلام سنتی تھی ۔ اوروہ گینسرت کی جھیل کے کنارے کھڑا تھا۔۔۔ اور اُسنے اُن کشتیوں میں سے ایک پر چڑھ کر جو شمعون کی تھی اُس سے درخواست کی کہ کنارے سے ڈرا ہٹا لے چل اوربیٹھ کر لوگوں کو کشتی پر سے تعلیم دینے

لگا"(لوقا ۵: ۱تا ۳) " اوریسوع اپنے شاگردوں کے ساتھ جھیل کی طرف چلا گیا اورگلیل سے ایک بڑی بھیڑ پیچھے ہولی اوریہودیہ اوریروشلیم اورادومیہ سے اوریردن کے پاراورصور اورصیدا کے آس پاس سے ایک بڑی بھیڑیہ سن کرکہ وہ کیسے بڑے کام کرتا ہے اُس کے پاس آئی۔پس اُس نے اپنے شاگردوں سے کہا بھیڑ کی وجہ سے ایک چھوٹی کشتی میرے لئے تیار رہے تاکہ وہ مجھے دبا نہ ڈالیں"(مرقس ۳: ۷تا ۱۰)غرضیکہ سیدنا مسیح کی طرف لوگ اس طرح فوج فوج امنڈ آتے تھے کہ ایک کے اوپر ایک گرا پڑتا تھا۔ ہزاروں آدمیوں کی بھیڑلگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا"(لوقا ۱۲: ۱) " اور سارا شہر دروازہ پر جمع ہوگیا"(مرقس ۱: ۳۳)" اس کی شہرت تمام سوریہ میں پھیل گئی ۔۔۔ اورگلیل اوردکپلس اوریروشلیم اوریہودیہ اوریردن کے پارسے بڑی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی"(متی ۴: ۲۴تا ۲۵) " کئی دن بعد جب وہ کفر نحوم میں پھرداخل ہوا تو سنا گیا کہ وہ گھرمیں ہے۔ پھراتنے آدمی جمع ہوگئے کہ دروازے کےپاس بھی جگہ نہ رہی اوروہ انہیں کلام سنارہا تھا"(مرقس ۲: ۱، ۲) اُس نے (مسیح نے) اُن سے (شاگردوں سے) کہا۔ تم آپ الگ ویران جگہ میں چلے جاؤ اور ذرا آرام کرو۔ اس لئے کہ بہت لوگ آتے جاتے تھے اورانہیں کھاناکھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ پس وہ کشتی میں بیٹھ کر الگ ایک ویران جگہ میں چلے گئے۔ اور لوگوں نے انہیں جاتے دیکھا۔ اوربہتیروں نے پہچان لیا اور سارے شہروں سے اکٹھے ہوہوکر پیدل اُدھر دوڑے اوراُن سے پہلے جاپہنچے (مرقس ۶: ۳۱تا ۳۳) جس شخص کی تعلیم اورتقلین نے ملک یہودیہ میں ایسی ہل چل مچادی تھی اور جس کے کام دیکھنے اورکلام سننے کے لئے لوگ ٹڈی دل کی طرح جنگل اورپہاڑوں پر دوڑے جاتے تھے اُس کے فوری اثر کا پورا اندازہ آج دوہزاربرس کے بعد کرلینا مشکل ہے۔ مگر پھر بھی انجیل کی تاریخ کے صفحے پر یہاں وہاں کچھ اشارات مل جاتے ہیں جن سے کچھ پتہ لگ سکتا تھا۔ مثلاً روٹی

اورمچھلیوں کے معجزہ کے ذکر کے بعد مقدس یوحنا فرماتے ہیں" پس جو معجزہ اُس نے دکھایا وہ لوگ اُسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے(یوحنا ۶: ۱۴) جب وہ یروشلیم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں ہل چل پڑگئی ۔ اورلوگ کہنے لگے یہ کون ہے؟ بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرت کا نبی یسوع ہے"(متی ۲۱: ۱۰تا ۱۱) " بھیڑمیں سے بہتیرے اُس پر ایمان لائے اور کہنے لگے کہ مسیح جب آئے گا توکیا اُن سے زیادہ معجزے دکھائیگا جواُس نے دکھائے ہیں؟(یوحنا ۷: ۳۱)۔

۴۔جب فریسیوں نے یہ حال دیکھا تواُن کے ہاتھ کے طوطے اڑگئے۔ وہ یہ سوچنے لگے کہ کیونکراس حیرت افزا ترقی کوروکیں جو دن دونی اوررات چوگنی ہوتی جاتی ہے۔ انہوں نے مجلسیں کرنا شروع کیں۔ آپس میں اقرار کیاکہ اب چھپائے نہیں چھپ سکتا اس شخص نے تمام لوگوں کو مرید کرڈالا"۔ پس فریسیوں نے آپس میں کہا سوچوتوتم سے کچھ نہیں بن پڑتا دکھو جہان اس کا پیرو ہوچلا۔ (یوحنا ۱۲: ۱۹) تب اُنہوں نے ایک یہ تدبیر نکالی کہ علماء سے فتویٰ دلایا۔ کہ " اگر کوئی اس کے مسیح ہونے کا اقرارکرے تو عبادتخانہ سے خارج کیا جائے"(یوحنا۹: ۲۲)جس کا اتنا اثر ضرورہوا کہ "یہودیوں کے ڈرسے کوئی شخص اُس کی بابت صاف صاف نہ کہتا تھا " (یوحنا ۷: ۱۳) علانیہ اقرار سے بہت لوگ رک گئے مگراُن کے ایمان کی آگ ویسی ہی سلگتی رہی حتیٰ کہ سرداروں میں سے بھی بہتیرے اُس پر ایمان لائے مگر فریسیوں کے سبب اقرارنہ کرتے تھے ایسا نہ ہو کہ عبادت خانہ سے خارج کئے جائیں" یہ کمزورمریدوں کا حال ہے جن کی نسبت مقدس حواری فرماتاہے " وہ آدمیوں کی عزت کو خدا کی عزت سے زیادہ عزیز جانتے تھے "(یوحنا ۱۲: ۴۲، ۴۳)۔

ادھر فریسیوں نے تویہ کیا اُدھرمریدوں کے دل میں جوش پیداہوا اوراُنہوں نے اس کا جواب دینا چاہا جس سے

نہ صرف ایمان کا اقرارہوتا بلکہ بڑے جوش کے ساتھ ہوتا جس پر خداوند اپنے مریدوں کودلیر نہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک بڑے گروہ نے یہ کہتے ہوئے کہ" جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے" چاہا کہ مسیح کو اپنا بادشاہ بنالیں اورسب کو علانیہ للکاردیں مگر خداوند نے اُن کے جوش کو ٹھنڈا کردیا۔ اُن کا ساتھ چھوڑکر کسی پہاڑپر اکیلا چلا گیا۔ (یوحنا ۶: ۱۴، ۱۵)کیونکہ وہ روحوں پرشاہی کرنے آیا تھا نہ جسموں پر۔ پھر ایک اورمرتبہ جب آپ یروشلیم میں داخل ہوئے جہاں کہ فتویٰ دینے والے عالموں کا مسکن تھا توآپ کے مریدوں نے راستے میں اپنے کپڑے ڈال کر فرش بچھادیا۔ اورلوگوں نے درختوں کی ہری ڈالیوں سے سڑک کو سجایا۔ اور" بھیڑ جواُس کے آگے چلتی آتی تھی پکارپکارکر کہتی تھی کہ ابن داؤد کو ہوشعنا مبارک ہے۔ وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے عالم بالا پر ہوشعنا(متی ۲۱: ۸، ۹) اس گرمجوشی کو جو بہت ہی صلح اورآشتی کے ساتھ تھی خداوند نے روارکھا۔ یہ وہ مرید تھے جو علانیہ اپنے ایمان کا اقرارکرکے یروشلیم کی دیواروں کو ہلارہے تھے۔ اورجب بعض فریسیوں نے اس سے کہا اے استاد اپنے شاگردوں کو ڈانٹ "۔ توآپ نے جواب دیا" اگریہ چپ رہیں توپھر پتھر چلائینگے" (لوقا ۱۹: ۳۹، ۴۰)۔

۵۔ مسیح کے شاگردوں کی یہ کثرت دیکھ کر دشمنوں کے دلوں پر ہیبت چھاگئی تھی اورجب وہ خداوند کو گرفتار کرنے کی سوچتے تھے تواُن کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کوئی بڑا بلواہ نہ ہوجائے وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ خداوند کے شاگردوں کو تلوارچلانا حرام تھا کہ خداوند خود گرفتاری کے لئے تیارتھے اوراپنے مریدوں کو سمجھا چکے تھے کہ کوئی ہاتھ نہ ہلائے کہ صلیب ہی آپ کا تخت تھا جس پر بیٹھ کر وہ سارے جہان کو ابد تک تسخیرکرینگے وہ دوزخمی ہاتھ تھے جس سے آپ مملکتیں زیروزبر کردینگے کہ بادشاہ توخلقِ خدا

کے خون کی ندیاں بہیل کر تخت تک پہنچے مگر ابنِ داؤد اپنے خون کو بہا کر خدا کی بادشاہت قائم کریگا۔

رومی اور فریسی ناحق لرزتے تھے۔ فریسیوں نے اسکے پکڑنے کی کوشش کی پر لوگوں سے ڈرے "(مرقس ۱۲: ۱۲) وہ اُس کے ہلاک کرنے کا موقع ڈھونڈھنے لگے کیونکہ اس سے ڈرتے تھے اس لئے کہ سارے عام لوگ اُس کی تعلیم سے حیران ہوتے تھے "(مرقس ۱۱: ۱۸) وہ اس جستجو میں لگے کہ اُسے کیونکر فریب سے پکڑکر قتل کریں پر انہوں نے کہا کہ عید کو نہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں میں بلوا ہوجائے (مرقس ۱۴: ۱، ۲) اوراس وجہ سے وہ یہ چال چلے کہ یہودا اسکریوتی کو ملایا۔ تاکہ " بغیر ہنگامہ کے وہ اُسے اُن کے حوالے کرادے "(لوقا ۲۲: ۶)۔

ان چند آیات سے جو ہم اوپر لکھ چکے جو بطور جملہ معترضہ کے جگہ جگہ وارد ہیں یہ روشن ہوجاتا ہے کہ سیدنا مسیح کے مریدوں کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں سے نہیں بلکہ لاکھوں سے گنی جاتی تھی جو کسی ایک شہر یا قصبہ میں نہ تھے بلکہ تمام ملک میں ہر بستی میں تمام ملتوں اور تمام گروہوں میں ،امیروں میں اور غریبوں میں حاکموں اور رعیت میں ، عالموں میں اورجاہلوں میں۔ تجاروں میں کشتکاروں میں اہل قلم میں اوراہل سیف میں ، مزدوروں میں اور پیشہ وروں میں، مردوں میں اور عورتوں میں جو آیا سجدہ میں گرا جس نے دیکھا مطیع ہوا۔ یہی دیکھ دیکھ کر فقیہ اور فریسی جو اس ملت کے فرعون تھے بڑے یاس وحرمان سے کہتے تھے " سوچو توتم سے کچھ نہیں بن پڑتا۔ دیکھو جہان اُس کا پیرو ہوچلا"۔

۶۔ یہاں تک جوکچھ ہم لکھ چکے ۔ یہ عموماً مسیح کے یہودی مریدوں کی بابت تھا غیر یہودیوں میں سے بھی بہت سے آپ کے مرید تھے مثلاً سماریوں کے شہر سخار میں شہر کے رہنے والوں میں سے بہت سماری ایک ہی دن میں ایمان لے آئے "۔ اس شہر کے بہت سے سماری اُس عورت

کے کہنے سے۔۔۔۔ اُس پرایمان لائے"۔ اورانہوں نے دوروز تک مسیح کو اپنا مہمان رکھا اوراس اثنا میں اُن کے سوا" اوربہتیرے اُس کے کلام کے سبب ایمان لائے "(یوحنا ۴: ۳۹، ۴۱)۔

اسی طرح ایک رومی سردار کی نسبت لکھا ہے کہ" وہ اوراس کا ساراگھرانہ ایمان لایا"(یوحنا ۴: ۵۳) اورہر معجزہ کا نتیجہ یہی ہوتا تھا۔ لوگ ایمان بھی لاتے تھے اورانکاربھی کرتے تھے ۔ انکارتو سخت دلی کی وجہ سے تھا مگر ایمان توقع کے موافق، اگراُن بہرے، اندھے، لنگڑے کوڑھیوں ، مفلوجوں ، دیوانوں اورطرح طرح کے بیماروں کا شمارکیا جائے جن کو سیدنا مسیح نے چنگا کیا یا مردوں کا جن کوجلایا اوراُن کے عزیزوں اوررشتہ داروں کاجنہوں نے اپنی آنکھوں سے خدا کی قدرت دیکھی اوراُن صالح ایمانداروں کا بھی جو دیکھ کر خدا کی قدرت کا فطرتاً اعتراف کرلیتے ہیں اور اس کا خیال کیا جائے کہ سیدنا مسیح نے ہزاروں معجزے دکھلائے توہماری آنکھ کے سامنے سے ایمانداروں کی فوجیں کی فوجیں گذرجاتی ہیں جن سے کئی رجمنٹیں بن سکتیں۔

مرزا اُس کے چیلوں کی بے بصیرتی سے تو ذرا بھی تعجب نہیں آتا مگرہم کوسرسید کی غلطی کا افسوس ہے کہ انہوں نے مسیح کے دوسرے درجہ کے حواریوں کوجن کی تعداد سترتھی مگرجن کے نام سے ہم کوخبرنہیں جو خاص طورسے مثل بارہ حواریوں کے منتخب ہوئے تھے آپ کے کل مریدوں کی تعداد سمجھ لیا جائے جو بے شمارتھی جن میں سے کچھ لوگ جو کسی ایک جگہ صعود کے قبل اور صلیب وبعثت کے بعد سیدنا مسیح کی زیارت کرنے کو پوشیدہ جمع ہوئے تھے ان کی تعداد" پانچ سوسے زیادہ تھی"(اول کرنتھیوں ۱۵: ۶)۔ سیدنا مسیح کے مریدوں کی تعداداس کثرت سے تھی اورمسلمہ تھی کہ سیدنا مسیح نے آپ کو اس کو پلاطوس کے آگے اس دلیل میں پیش کیا کہ

میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں بلکہ آسمانی ہے۔آپ نے فرمایا " میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں ۔ اگر میری بادشاہت اس دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑائی کرتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا"(یوحنا ۱۸: ۳۶) مسیح نے گویا اس میں یہ فرمایا۔تجھ کو یہ معلوم ہے کہ میرے مُریدوں کو کتنی بڑی تعداد ہے۔ اگرمیں اُن کو حکم دیتا تو وہ مخالف گروہ کے مغلوب کرنے کےلئے کافی سے زیادہ تھی اور میں کبھی گرفتارنہیں ہوسکتا تھالیکن انہوں نے تلوار نہیں چلائی جو وہ میرا حکم پاکر ضرور چلاسکتے تھے جب انہوں نے مقابلہ نہیں کیا توظاہر ہے کہ میرا حکم اسکے خلاف تھا اورایسا حکم نہ دیتا اگر میں دنیا میں بادشاہی کرنا چاہتا، پلاطوس نے اس کا جواب نہیں دیا۔ ورنہ وہ یہ کہتا تیرے پاس خادم کہاں ہیں یا تیرے سوپچاس خادم کب لڑسکتے تھے مگرپلاطوس قائل ہوگیا۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے مولا کی نہایت واضح تعلیم اپنے مُریدوں کو یہ تھی کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔اگر تم کوایک شہر میں ستائیں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ۔ جوتمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اُس کے سامنے دوسرا بھی پھیر دینا۔یعنی آپ نے مریدوں کو دفع ظلم کے صرف دوطریق بتلائے یا جو وہ قابیل نے اختیارکی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کہ شہید ہوجاؤ مگرہاتھ نہ اٹھاؤ یاگریزپا۔ اورجب آپ نے اپنے رسولوں کو تلوارچلانے سے قطعی منع فرمایا جیسا ہم آگے اپنے مضمون عیسویت اورتلوار میں ثابت کرینگے۔ تومرزاکا ان رسولوں کو" بھگوڑے" کہنا صرف اپنے ناپاک دل کی خباثت کا اظہار کرنا ہے جو شخص تلوار کھینچنا اورکشت وخون کے لئے میدان میں اترنا اپنا فرض سمجھے اورپھر پیٹھ دکھلائے اس کو بھگوڑا کہتے ہیں۔ مگر جن کو دفع شرکی بھی اجازت نہ ہو اورمرشد کا حکم ہوکہ بھاگ کر اپنی جان بچاؤ ان کو اس لقب سے یاد

کرنا مردمی کی بات نہیں خصوصاً اُن لوگوں کو جو اپنا سنہ بھاگنے کی تاریخ سے شروع کرتے ہیں اورہم نے باربار اس بات پر اصرار کیا کہ عیسویت کے سچے نمونہ مکہ والے اسلام میں ملتے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ مرزا اوراس کے گروہ کہ چونکہ محمدی دین سے خارج کیا گیا ہے اس لئے اس کو حواریوں کی نسبت اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی آریہ کو۔

مگر انصاف پسند لوگوں کو ہم یہ سمجھا دینا چاہتے ہیں کہ شاگرد اپنے مولا کی گرفتاری گوارانہ کرسکتے تھے۔ اور فطرتاً مارنے مرنے کو تیار بھی تھے بلکہ اس امر میں سیدنا مسیح کی نافرمانی کرنے کی بھی جسارت کرتے تھے۔ کہ مقدس پطرس سے نہ رہا گیا۔ اورانہوں نے تلوار بھی کھینچ لی اس پر سیدنا مسیح کو انہیں ڈانٹنا پڑا اورازسر نوسمجھا تاکہ" آیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ کی منت کرسکتا ہوں اور وہ نوشتے کہ یونہی ہونا ضرور ہے ۔ کیونکر پورے ہونگے؟-- ۔ مگریہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔ اس پر سارے شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے"(متی ۲۶: ۵۳، ۵۴، ۵۶) پس اب کیا چارہ تھا یا وہ سیدنا مسیح کی نافرمانی کرکے مشیتِ ایزدی سے لڑتے اوراپنی عاقبت خراب کرتے یا وہی کرتے جو کیا یعنی بھاگ گئے اور سیدنا مسیح کو منظور تھا کہ وہ لوگ بھاگ جائیں اوراس کے ساتھ گرفتارنہ ہوں۔ کیونکہ ان لوگوں کی رہائی کے لئے سیدنا مسیح نے آپ اپنے گرفتارکرنے والوں سے درخواست کی تھی" پس اگرتم مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جانے دو"(یوحنا ۱۸: ۸)۔ مگر شاگرد بڑ براڑے رہے۔ اورایک لمحہ قبل ازوقت نہ بھاگے یعنی اُس وقت تک کہ سیدنا مسیح نے قطعی طورپر سمجھا دیا کہ میری موت اورگرفتاری میں " نوشتے" پورے ہورہے ہیں"۔ تب سب شاگرد اُسے چھوڑکر بھاگ گئے "۔

یہ سچ ہے کہ مقدس پطرس نے انکارکیا اوراُس کا مُقدس رسول کو ساری عمر قلق اوراقراررہا جس کے باعث اُس نے اپنے دل کو پانی کرکے آنکھوں سے انڈیل دیا اورانجام کاراپنے خون کو بھی اُسی صلیب پربہایا مگرہم پوچھتے ہیں کہ رسول کو اورکیاچارہ تھا اُس کی تلوار سیدنا مسیح نے میان میں کرادی اُس کو منع کردیا کہ مقابلہ نہ کرے اورگرفتاری اور موت سے اُس کو نہ بچائے ۔ پس اُس کی جان اُس وقت سیدنا مسیح کے کام میں نہیں آسکتی تھی اور حکم تھا کہ بھاگ جائے ۔ لیکن محبت اورجان نثاری کے ولولہ نے اُس کو پھر مجبورکیاکہ وہ اُس مقام تک چھپ کرپہنچے جہاں اُس کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی یادیکھے کہ سیدنا مسیح پر کیا بیتا۔یہ فعل اُس کا ذاتی ذمہ واری کا تھا جب پہچانا گیا اور ڈراکہ ناکام رہے اوربلادریافتِ حال واپس جائے۔ اُس نے جھوٹ بول کر اپنے تیئں پوشیدہ کیا اورجاسوسی میں لگارہا لیکن جب انجام کارپھر بھی پہچانا گیا تو اُس نے قسم کے ساتھ اوراپنے اوپر لعنت کرکے لوگوں کو یقین دلایاکہ میں مسیح کا ساتھی نہیں ہوں۔ قادیانی کہتاہے " سب سے بڑا بہشت کی کنجیوں کا مالک توپطرس تھا وہ بھی لعنت کرچکا"۔کس پر؟ اپنے اوپرنہ کسی غیرکے اوپر۔ اُنہوں نے کچھ اس قسم کےالفاظ کہے۔ خدا کی قسم میں اُسے نہیں جانتا اگر اس سے مجھے کچھ واسطہ ہوتو مجھ پر خدا کی لعنت۔

حاشا ہم نہیں کہتے کہ مقدس پطرس نے اچھا کیا انہوں نے ضرور بُرا کیا اوراپنی برائی کااعتراف کیا۔ انہوں نےجھوٹ بولا بلکہ ایک اورخطا کی کہ اس مقام پرگئے جہاں جانے کے واسطے ان کو سیدنا مسیح کی اجازت نہ تھی مگر انہوں نے ایک ایسے موقع پرجھوٹ بولا ایک ایسی غرض کے واسطے کہ ان کے جھوٹ کو ہر ملت اورمذہب نے بجز مسیحی دین کے تقیہ اورتوریہ اوردورغ مصلحت آمیز کے نام سے روا رکھا ہے۔ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کو اوراپنی جان بچانے کونہ کسی کونقصان پہنچانے کواورقرآن

شریف نے اسکو صراحتہً قابل مواخذہ ہونے سے یہ کہکر مستشنےٰ کردیا إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ یعنی مگر وہ نہیں جس پر زبردستی ہوئی اوراس کا دل ایمان پر برقرار رہا(نحل آیت ۱۰۶)۔ مگر چونکہ معترض کو مسیح اوراُس کے رسولوں کے ساتھ گہری عداوت ہے۔ اور قرآن اورحدیث سے وہ ناواقف ہے اس لئے اُس کے منہ سے اس قسم کے اعتراضوں کا نکلنا کچھ بھی تعجب کی بات نہیں۔

مگر ہم سوچتے ہیں کہ اُن لوگوں کے دل کیسے سیاہ ہونگے جن کی ہمدردی ظالم یہود کے ساتھ ہو اورمظلوم حواری کے خلاف ۔ اُن کے دل اس بات سے کڑھتے ہونگے کہ ہم کیوں اُس وقت نہ ہوئے کہ یہود کے ساتھ مسیح پر اور اُس کے رسولوں پر کچھ ظلم اپنے ہاتھ سے بھی کرسکتے۔ وہ ہزاربرس پہلے کیوں نہ پیدا ہوئے ۔ ہمیں ڈر ہے کہ ان لوگوں کی روحانی ہم جنسی سے آریہ لوگ تناسخ کی دلیل نہ پکڑیں کہ یہ لوگ اُنہیں مردودوں کی ناپاك اورخبیث روحیں ہیں جو برابر چولے بدلتے ہوئے آخرکار پنجاب کے قصبہ قادیان میں مجسم ہوئیں۔

پس مرُیدوں کا بہ تعمیل ارشادِ بھاگ جاناکسی طرح اُن کو انصافاً ملزم نہیں بناتا اورنہ اُن کو جان نثاری پر حرف لاتا ہے۔ جس کو مابعد کے سوانح نے روز روشن کی طرح آشکارا کردیا بلکہ ہم تویہاں تك کہنے کو تیار ہیں کہ ایك وہ شخص جس کے سر دوہزاربرس سے لعنت تھوپی گئی یعنی یہودا اسکریوتی جس نے اپنے مرشد کے ساتھ وہ کیا جس کو جہان نے دغا بتلایا۔ اورہمارے لئے اب تك ایك اسرار ہے جو کھلتا نہیں اُس نے بھی آزمائش کے لمحہ کے بعد ہی اپنی جان نثاری اوروفاداری کا ثبوت دیا جو اس حالت میں اُس کے لئے ممکن تھا۔ یعنی خود اپنے تئیں ہلاك کیا اوراُس روپیہ کو جس کے لالچ میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے یہ حرکت کی تھی انہیں لوگوں کے منہ پر پھینك مارا جن کے ہاتھوں سے وہ ملا تھا۔

ہم کو نہ مقدس پطرس کی معذرت کرنا منظور ہے نہ یہوداسکریوطی پر اس سے زیادہ تشدد کرنا جواُس نے اپنے اوپر آپ کیا اور جس کا وہ مستوجب تھا مگر ہم حیرت سے دیکھتے ہیں کہ ڈیڑھ دوبرس کی صحبت نے اُن لوگوں کے دل میں ایسی بڑی جان نثاری اوروفاداری پیدا کردی تھی کہ جن لوگوں کو ایک لمحہ لغزش لگی وہ بھی ایسی جلد سنبھل گئے اورانہوں نے اپنی جانیں پانی کی طرح اپنے مرشد کے دین کی راہ میں بہائیں۔ اوریہ سب خالصتہً للہ ۔ آرے کے اُوپر لات مارنا قادیانی کے لئے مشکل ہے۔

مسیحیت کی خصوصیت سے اہلِ حدیث کا انکار

قادیانی محاسب کے جواب میں جب ہم اپنا مضمون لکھ چکے تو ایک صاحب کی زبانی ہم نے سنا کہ اسی رنگ کی ایک بحث " نورافشاں" اور" اہل حدیث" میں چھڑی ہوئی ہے ۔ چنانچہ ہم نے ۲اگست ۱۹۰۷ء کا " اہل حدیث" بہم پہنچایا جس میں ۱۱جولائی کے نورافشاں کا ایڈیٹوریل بعنوان " مسیحیت کی خصوصیت" نقل کرنے کے بعدمولوی ثناء اللہ صاحب نے جواب دیا ہے۔ اورفرماتے ہیں :

" اس سارے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح اور مسیحی مذہب اپنے پیرو کو ایک روحانی طاقت بخشتا ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں۔ ہم بہت خوش ہوتے ہیں اگریہ دعوٰی واقعات سے اپنے اندرثبوت بھی رکھتا۔ بحالیکہ

ہم انجیلوں میں دیکھتے ہیں کہ مسیح کے پہلے پیروؤں میں ایسے بھی تھے جنہوں نے خود حضرت ممدوح کو چند پیسوں کے لالچ میں پکڑوادیا اور صبح ہونے سے پہلے تین دفعہ اُن پر لعنت کی۔ ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے اول پیروؤں کانمونہ ہم کو ایک ایسا راستی اورجا نثاری کا ملتا ہے کہ کسی نبی کے پیروؤں میں نہیں ملتا۔ حضورپر تمام عمر میں بڑی مصیبت اورحضور کے خادموں کی آزمائش کا وقت ہجرت کی رات کا تھا یعنی جس وقت حضور نے مکہ معظمہ سے مدینہ کو کُوچ فرمایا تھا۔ اُس وقت حضور کے ایک خادم نے یہ جان نثاری کی کہ حضور کے باہر جانے کے وقت آپ کے بستر پر خود لیٹ گیا کہ مخالفین محاصرین اگر اندرآئیں تو بیشک میرا کام تمام کردیں مگر حضور کی ذات پر آنچ نہ آئے۔ دوسرے خادم نے یہ جرات دکھائی کہ حضور کو لے کر نکل گیا اورباہر غارثور میں کئی دن تک چھپے رہے مگرجاں نثاری کے استقلال کی یہ حد کہ مجال نہیں کوئی خبر تک ہوحالانکہ اُسی کے گھر سے آتارہا۔ پھر اُسی غار سے نکل کر دوسومیل سے زیادہ کاسفر مدینہ تک طے کیا مگرمجال نہیں کہ کوئی خیانت یا نیت بد پیدا ہوحالانکہ اس جان نثاری کے چھوٹے چھوٹے بچے مکہ معظمہ میں موجود تھے جن کی نسبت بہت کچھ تفکرات ہوسکتے تھے۔۔۔۔ کیا ایڈیٹر صاحب اس کی کوئی مثال عیسائی تاریخ میں بتاسکتے ہیں۔

مگر خوشی کی بات ہے کہ مولوی صاحب مجبوراً اس قدرتسلیم کرلیتے ہیں کہ " مسیح کی شان میں توکچھ نہیں کہہ سکتے وہ بیشک برگزیدہ نبی تھے لیکن اتنا کہتے ہیں کہ اُن کی نسبت جو اعتقاد عیسائیوں نے لگارکھے ہیں یہ نہ انہوں نے سکھائے نہ اُنہوں نے رکھے"۔ پس برگزیدہ نبی کی مذہب برگزیدہ مذہب ہوا اورہم کو تعجب آتا ہے کہ پھر نورافشاں کا دعویٰ کیوں محلِ اعتراض سمجھا گیا۔ رہے اُن کی نسبت عیسائیوں کے عقائد توبحیثیت اہلِ حدیث ہونے کے اس

قدر کے شاکی تو آپ ہندوستانی مسلمانوں کے بھی ہیں اور اُن کے بیشتر عقائد واعمال کو شرک وکفر پکار پکار کربتلارہے ہیں۔ آپ ہمارے دعویٰ پر خوب غورفرمالیں اور خلط مبحث سے بچیں۔

ایک بڑی خصوصیت مسیح کی تمہارے مسلمہ عقیدہ کے موافق اورنیز ہمارے عقیدہ کے یہ ہے کہ وہ زندہ ہے مردہ نہیں گوکہ تمام انبیاء رُسل صاحبِ شریعت مرگئے اوراپنی اپنی قبروں میں نفخ صُور کے منتظر پڑے ہیں۔ زندہ نبی صرف مسیح ہی ہے اورجس طرح زندہ مُردہ سے افضل ہے۔ زندہ نبی کا مذہب بھی مرُدہ نبیوں کے مذاہب سے افضل ہونا چاہیے اب خصوصیت سے انکارکیا معنی۔ اگر عیسائیوں کے عقائد واعمال میں خرابیاں واقع ہوگئیں تو گھبرائیے نہیں آپ اورہم دونوں چشم بر راہ ہیں کہ اُن کی اصلاح خود آکر وہ زندہ نبی کردے۔ اورآپ ایک لحظہ کو بھی نہ بھولیں کہ" مسیحی مذہب" سے ہماری مراد وہ عقائد نہیں ہوسکتے جو" نہ مسیح نے سکھائے اورنہ انہوں نے رکھے" بلکہ وہی جوکلمتہ اللہ نے سکھلائے۔

کیاہم آپ کو بتلائیں کہ دین عیسائی امتحان دے چکا اوراس کی غلط کاریوں کے نمبرکٹ جانے کے بعد بھی اُس کو پاس مل گیا۔ اسلام کے ظہورکے قبل چھ سو برس تک دین مسیحی دنیا کی بہاربنارہا اوراسلام اُسی کی کیاریوں میں پیدا ہوا ع گرونہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ صحیح مسلم میں عیاض بن حمارکی حدیث ہے کہ آنحضرت نے خطبہ میں یہ گواہی دی کہ ان اللہ نظر الیٰ اھل الارض فقمتہ عربہم وعجم الابقا یا من اھل الکتاب ۔ اللہ نے زمین والوں پر نظر کی اورسب سے متنفر ہوا عربوں سے بھی اورعجموں سے بھی بجز اُن کے جواہلِ کتاب سے باقی تھے (کتاب صفات المنافقین اہل الجنتہ واہل النار) پس اب تو یہ بلا مبالغہ حق ہواکہ" مسیح اور مسیحی مذہب اپنے پیرو کو ایک روحانی طاقت بخشتا ہے جودوسرے مذاہب میں نہیں"۔

ہاں میں آپ کو تاریخ کلیسیا میں سے اس روحانی طاقت کی دوایک مثالیں مورخین کی زبانی بھی سنادوں۔ اصحاب کہف مسیح اور مسیحی مذہب کے پیرو تھے جن کے محامدنص قرآن سے ثابت ہیں اس کے مقابل میں آپ ہم کو بھی کوئی مثال تاریخ اسلام سے سنائیں جس میں ہم کو کلام کی گنجائش نہ ہو۔ اصحاب الاخدودایک دونہیں ہزاروں تھے جن کا مجمل ذکر قرآن شریف میں اور مفصل صحیح مسلم کے آخر میں درج ہے کس طرح آروں سے چرگئے۔ آگ میں جل گئے مگر ایمان میں لغزش تک نہ آئی۔ اس کمال کی دوایک مثالیں آپ بھی ہم کو سنا دیجئے۔ اگرکچھ استقامت مسلمانوں نے سیکھی ہوتی توانہیں اہل کتاب سے جنہیں یاددلا دلا کرآنحضرت اپنے بے صبر مریدوں کو مکی زمانہ میں ہمت دلاتے رہے۔ صحیح بخاری پارہ چودہ میں خباب سے روایت ہے کہ جب ہم لوگوں نے آنحضرت سے شکایت کی کہ مکہ والے ہم کو ستاتے ہیں توآپ نے فرمایا" تمہارے زمانے سے پہلے آدمی ہوتا تھا کہ زمین میں گڑھا کھود کر اُسے کھڑا گاڑدیتے تھے پھر اُس کے سر پر آرہ رکھتے اور بیچ سے چیر کر دوکرڈالتے مگر وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور لوہے کی کنگھی سے اُس کا گوشت ہڈی اور پٹھے سے نوچ کر جداکرتے پھربھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا" کچھ معلوم یہ کون تھے جن کی روحانی طاقت کا قصہ آنحضرت نے اپنے مریدوں کو سنایاجو دس ہی برس کی مدت میں گھبرا اٹھے ؟ یہ عیسائی تھے جہنوں نے چارسوبرس تک صلیب کے سایہ میں بہشت کمایا تھا جن کے مقدس تذکرہ کے لئے آپ کو اردولغت میں ایسے ہی متبذل الفاظ ملے ۔ " تیسری چوتھی صدی تک عیسائیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بڑی ذلت کی زندگی گذارتے تھے۔ کئی دفعہ بادشاہوں کے حکم سے اُن کا قتلِ عام ہوا۔ جو عیسائی ہوتا اُس کی خیر نہ ہوتی بیچارے سر چھپائے پھرتے"۔ اس حالت کو ذلیل اور ناگفتہ بہ کہنا اپنے تئیں اخلاقی احساس سے بے بہرہ ثابت کرنا ہے۔ مگر

حیرت ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان دیکھنے کے بعد
بھی آپ کو یہ لکھتے تامل نہ ہوا کہ" عیسائیوں کا پہلا طبقہ
مسلمانوں کے پچھلے طبقہ سے مشابہ ہے۔

آپ نے کچھ نہ سوچا کہ اگر جہانگیری دورِ حکومت
کا مقابلہ منظور ہے تو آنکھوں دیکھ لو جو پہلے طبقہ کے
مسلمان کرچکے جن کے کردار افسانہ ہوگئے اس سے ہزارہا
درجہ زیادہ عیسائی اس وقت کررہے ہیں اورمدتوں سے کرتے
چلے آئے اورمستقبل ماضی اورحال کا نتیجہ ہے جس کی
پیشنگوئی بھی قرآن وحدیث میں موجود ہے مگر جو روحانی
فتحمندیاں پہلے طبقہ کے عیسائی کرچکے اس کی نظیر جب
۱۳سال کے مکی زمانہ میں کوئی نہ ہوئی تو بعد توبقولے۔ع

آں قدح بشکست واں ساقی نماند

اوریہ جو آپ کہتے ہیں کہ" مسیحی ممالک (یورپ)
نے بیشك ترقی کی مگرنہ یہ کہ عیسائی مذہب کی رہنمائی
سے بلکہ مذہب کو چھوڑکر اپنی رہنمائی سے " یہ تعصب کا
بلکہ بے بصری کا سخن ہے۔ تمدن کی فلسفی اورشائستگی کی
تاریخ کے خلاف مسیحیوں کی پولٹیکل حیات جس کا
سلسلہ قیامت تك باقی رہیگا اُن کے دینی اصول پر مبنی ہے
جس کو آپ کے اکابر آپ سے زیادہ سمجھنے کی قابلیت رکھتے
تھے صحیح مسلم کتاب الفتن میں مستور وقریشی سے
روایت ہے کہ جب انہوں نے عمروبن عاص کو یہ سخن
سنایا کہ روم قربِ قیامت سب سے زیادہ ہونگے (روم سے
مراد مسیحی ہوتے تھے جیسے ترك سے مسلمان، توانہوں نے
کہا" اس کا سبب یہ ہے کہ اُن میں چار خصلیتیں ہیں وہ فتنہ
کے وقت سب سے زیادہ مستقل ہوتےہیں مصیبت کے
بعد سب سے زیادہ بحال، فرارکے بعد سب سے پہلے حملہ
کرنے والے اور اپنے مسکینوں ، یتیموں اور کمزوروں کے
ساتھ بھلائی کرتے ہیں اوراُن میں ایك پانچویں خصلت بھی
ہے ۔ وہ بادشاہوں کے مظالم کو روکتے ہیں"۔ کچھ تو سوچا
ہوتا یہ خصائل دین سے طلاق حاصل کرنے کے بعد بھی کبھی

باقی رہ سکتے ہیں ؟ یہ عین دین ہے۔ اورآپ مسیحی ممالک کو صرف یوروپ پرکیوں محدود رکھتے ہیں کیا حبشہ اس سے باہر ہے اُس کےپرانے نجاشی اورنئے شاہنشاہ منیلک کے مقابلہ میں بھی آپ کے پاس کچھ نہیں۔ پس اگراس بڑی ہوئی عیسویت کے نموہ ایسے شاندارہیں کہ اس کے حدود اثر کے اندرآجانے سے لوگ" اپنی رہنمائی "آپ یہاں تک کرسکتے ہیں کہ غیر ممالک کے دینداراُن کی تقلید کو اپنی نجات سمجھے توجب ان ممالک میں مسیحیت کا مل ہوجائیگی تو پھر کیا کہنا۔ قربان اس بگاڑکے

بگڑنے پربھی زلف اُس کی بنا کی

اوراسلام شرع شریف کو۔ع

اے روشنی طبع توبرمن بلاشدی

افسوس مولوی صاحب اس سیدھی اورسچی بات کی تردید کرنا چاہتےہیں کہ" مسیح اورمسیحی مذہب اپنے پیرو کوایک روحانی طاقت بخشتاہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں ۔زیادہ سے زیادہ پرخاش کرکے وہ صرف یہی کہہ سکتے تھے کہ محمد اورمحمدی مذہب بھی اپنے پیروکو روحانی طاقت بخشتاہے یعنی وہ اسلام کو " دوسرے مذاہب" سے مستشنیٰ کرتے نہ کہ مسیحی مذہب کے دعوے کی مخالفت۔ اورہم بہت ٹھنڈے دل بلکہ ہمدردی سے اُن کی سنتے۔

ہم کوبڑاافسوس ہے کہ اُن کواپنے مذہب کی خوبیوں پر بھی اطلاع نہیں اوراُنہوں نے اسلام اور مسیحیت کے مقابلے میں جو واقعات پیش کئے تاریخی خواہ اخلاقی اُن کے انتخاب میں قسمت نے کچھ بھی اُن کی یاوری نہ کی۔ ہم اسلام کی مخالفت نہیں کرتے وہ مذاہب دنیا میں ایک بڑا دین ہے۔ اُس میں خوبیاں بھی ہیں۔ خدا کی طرف سے عربستان کے لئے وہ ایک برکت ہوکرآیا اس میں خدا کا ہاتھ نظرآتاہے اور مکہ اندرجہاں آنحضرت نے نبوت کی اگرہم ہوتے تو ورقہ بن نوفل کی ہمزبان ہم بھی آپ سے وعدے

کرتے ان یدرُکنی یومك انصرك نصراً موزاً مگر ہم اس نمونہ کے قائل نہیں جو بزعم جناب آپ کے " اول پیروؤں" نے جاں نثاری کا دیکھلایا اورجو آپ کو کسی نبی کے پیروؤں نہیں ملتا"۔

اگر حضرت ابوبکر اور حضرت علی اس برُے بوقت میں آپ کے کام آئے تو خوب کیا یہی اُن سے توقع تھی۔اگریہ لوگ آپ کے " پیرو" نہ بھی ہوتے بلکہ اسلام کے مخالف بھی ہوتے تو بھی حضرت علی آپ کے حامی ومربی کی جگہ بلکہ باپ سے زیادہ شفیق آپ کی یتیمی میں پرورش کرنے والے پیارے چچا ابوطالب کے قرۃ العین تھے جنھوں نے باوجود اسلام سے بیزارہونے کے آپ کوآنکھ کی پتُلی کی طرح دشمنوں سے بچایا اور آپ کی حمایت کرکے دوستوں کودشمن بنالیا تھا۔ پھر جب چچا ابوطالب کو تنگدستی نے ستایا اورآپ کی اولاد آپ پر بارہوگئی توآنحضرت نے علی کواپنی پرورش میں لیا اورفرزند کی طرح پالا اوراپنی دامادی کا امید واربنایا۔ پس علی آپ کے فرزندبھی تھے بھائی بھی تھے چچا کے بیٹے اورداماد ہونے والے تھے اورراستی اورجاں نثاری کا بیمہ کرنے کے لئے اُن میں سے کوئی ایک بات بھی کافی تھی۔ پھر آپ اول المومنین بھی ہوئے۔ نسبتیں ہوگئیں چارشخص ۔ اگر کسی کا بیٹا یاداماد یا بھائی مصیبت کے وقت جانبازی کرجائے تو کوئی رستم کاکام نہیں۔ ہاں اگر نہ کرے تو خباثت اورکمینہ پن ضرورہوگا۔

ہماری نگہ میں علی کی شان ہی ارفع اوراعلیٰ ہے وہ صحابہ میں فرد معلوم ہوتےہیں جن کے مقابل نہ کوئی اپنا آسکا نہ پرایا جو کچھ انہوں نے اس وقت کیا اوراس کے بعد دام واپسین تک۔ وہ راستی وجاں نثاری کا ایک لگاتارسلسلہ تھا جس میں اُن کو کبھی لغزش نہ ہوئی ۔ نہ آنحضرت کی زندگی میں نہ موت میں اورجوآج کی رات انہوں نے کیا اُن کی جان بازی کے کارناموں میں سب سے چھوٹی بات ہے۔ مگر یاد رہے آپ کوئی بیگانہ نہ تھے جس کو دین نے یگانہ کردیا۔

آپ یگانہ تھے اورہمیشہ دوست یگانہ رہے۔ خود غرضی اور
طمع نےآپ کو حاضر وغائب کبھی بیگانہ نہ ہونے دیا۔ پس
آپ" نبی کے پیروؤں" کے نمونہ نہیں ہوسکتے۔ بلکہ فطرتی
رشتہ کی مضبوطی اوراستواری کے۔لیکن اگریہ سچ ہے کہ
حضرت کے بستر پر ہجرت کی رات لیٹ جانے والے کو یہ
خطرہ تھاکہ" مخالفین محاصرین اگراندرآجائیں توبیشک کام
تمام کردیں"۔ توحضرت علی کی جان نثاریوں کے تمغات میں
توایک اوراضافہ ہوجاتا ہے ۔ مگرآنحضرت پر سے یہ الزام
دفع ہونا ناممکن ہوجائیگا کہ اپنی جان بچانیکی خاطر ایک
نوجوان کی جان کوخطرہ میں ڈالا جس کے باپ کے
احسانات سے آپ کبھی سبکدوش نہ ہوسکے جو ہمیشہ آپ
کے لئے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر رہا۔

حضرت ابوبکر ہجرت کے قبل ہی حضرت کو اپنی
بیٹی عائشہ نکاح میں دے چکے تھے۔ اوراس وقت آپ کو
حضرت کے خسر ہونے کا فخر حاصل تھا۔ حضرت آپ
کے داماد تھے جواولاد سے کم پیارا نہیں ہوتا۔ پس انہوں نے
کوئی بھی بڑا کام قابلِ ذکر نہیں کیا اگر اپنے فرزند کے ساتھ
بقول شخصے بھاگتے کے آگے ہوگئے ۔آپ کے لئے" دوسومیل
سے زیادہ کا سفر" کرجانا" جبکہ چھوٹے چھوٹے بچے مکہ
معظمہ میں موجود تھے جن کی نسبت بہت کچھ تفکرات
ہوسکے تھے" کوئی بات نہ تھی۔ درآنحالیکہ آپ اُن بچوں
کوچھوڑکراس سے پہلے اس سے بھی زیادہ دوربھاگ گئے ہوتے
اگرابن دغنہ آپ کوامان دے کرنہ لوٹالایا ہوتا جیسا ہجرت
کی حدیث میں بخاری پارہ پندرہ میں عائشہ سے مروی ہے
اورکہ آپ حضرت کے بھاگنے سے بھی چند دن قبل بھاگنے
کے سامان مہیا فرماچکے تھے کہ حضرت نےآپ کو روک لیا کہ
شائد مجھے بھی مدینہ کو ہجرت کرنا پڑے اوریوں حضرت
کا اوراُن کا ساتھ ہوگیا یعنی آپ برکاب بیٹھے ہی تھے۔ اونگھتے
کو ٹھیلتے کا بہانہ ۔ دوسومیل کی دوڑمیں ایک سے دوبھلے ہم
اس مفت کرم داشتن کے قائل نہیں ۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ

حضرت ابوبکر کے لڑکے بالے مکه میں خطرہ میں تھے
کیونکه بخاری پارہ باب الجاسوس میں حضرت علی سے
مروی ہے که حاطب بن ملبعه نے مہاجرین کی حالت اپنی
معذرت میں یه بیان کی تھی که کان من معك من المہاجرین
لهم قرابات بمکته یحمون بها اهلیم واموالہم آپ کے ساتھ
مہاجرین میں سے لوگ ہیں اُن کی قرابت داریاں مکه میں ہیں
جن کے باعث اُن کے بال بچے ومال اسباب حفاظت میں
ہیں۔

پس ہم کو افسوس سے کہنا پڑتا ہے که حضرت کے
اوّل پیروؤں کی" راستی" اور جان نثاری " پر جو دلیل آپ نے
ہم کو سنائی وہ انتہا درجه فاسد ہے گوہم اوردلائل سے خود
اُن لوگوں میں اکثر کے صدق عقیدت کے قائل ہیں لیکن ہم
کس طرح آپ کی طرح سے اس بڑی حقیقت سے آنکھ بند
کرلیں که آپ کے پیروؤں کے درمیان ایك بہت ہی بڑا گروہ
تھا جن کے لئے منافقین سے نرم ترکوئی خطاب قرآن کو مل
سکا اوراصحاب کے زمرہ میں ہزاروں تھے جواسی تاك میں
رات کا دن کرتے تھے که کب آپ کی آنکھ بند ہو۔ چنانچه اس
سانحه کے ساتھ ہی عرب میں ارتداد کا شوربلند ہواکه
خلیفه وقت کو دوبارہ بزورشمشیران کو اسلام میں لانا پڑا
آنحضرت ہرگز اس ڈھول کے اندرپول سے غافل نه تھے۔
بخاری پارہ ۱۳ میں ابن عباس سے واضح روایت ہے که
حضرت نے فرمایا حشر کے دن میرے اصحاب میں سے
کچھ لوگ میرے ہاتھ کی طرف گھیسٹے جائینگے میں اُن کو
دیکھ کر بول اٹھونگا ارے یه تو میرے صحابی ہیں تو مجھ
سے کہا جائیگا۔ انہم لم یزا الوامرتدین علیٰ اعقا بہم
منذرفارقتہم۔ که جب سے تونے اُن کو چھوڑا برابر پلٹ کر
مرتدین رہے۔ کربلا کے سارے عقدہ کا یہی حل ہے ورنه
کیونکر ممکن تھا مومنین کے موجود ہوتے ہوئے که آل
رسول یوں بین بین کے مارے جاتے پس ہم بڑے وثوق سے
کہه سکتے ہیں که ایسے منافقین اورمرتدین کانمونه جیسے ہم

آنحضرت صلعم کے مریدوں میں دیکھتے ہیں دنیا میں " کسی نبی کی پیروؤں میں نہیں ملتا"۔اورسیدنا مسیح کے پیروؤں میں توکبھی نہیں ملا"۔

مولوی صاحب کا یہ اندیشہ بھی بجا ہے کہ ان چیدہ واقعات کی مثال ہم عیسائی تاریخ میں نہیں بتلاسکتے۔ کیونکہ اوّل تو ہمارے مولا نے سالے، سسروں اوردامادوں کا کوئی جتھا اپنے گرد فراہم نہیں کیا کہ اُن سے امداد طلب کرتے ۔دوم بھاگنے کا بھی ان کو کوئی اتفاق نہیں ہوا جس سے ہجرت کا مقابلہ ہوسکے بلکہ بجائے اس کے کہ مقتل انبیاء یروشلیم سے وہ اپنی جان لے کر بھاگیں آپ مصلوب ہونے کو خود اُس طرف چلے باوجود یکہ دشمنوں نے بھی آپ کو روکنا چاہا" اسی دن بعضے فریسی آئے اوراس (عیسیٰ) سے بولے روانہ ہواوریہاں سے چل دے کیونکہ ہیرودیس تجھے قتل کیا چاہتا ہے اُس نے انہیں کہا جاکے اُس لومڑی سے کہہ دو کودیکھ میں بدروح کو نکالتا اورآج اورکل شفا دیتاہوں اورتیسرے دن تمام کرونگا مجھے ضرور ہے کہ آج اورکل اورپرسوں پھرا کروں کیونکہ نہیں ہوسکتا کہ نبی یروشلیم سے باہر ہلاک ہو"(لوقا ۱۳: ۳۱تا ۳۳) ہاں اس قدر ضرورسچ ہے کہ ہمارے مولا نے اپنے مُریدوں کو اجازت دی کہ بھاگ کروہ اپنی جان بچالیں یعنی اس موقع پر اپنی جان گنوانا ملتوی کرکے دوسرے وقت کے لئے تیاررہیں۔

مسیح کے اصحاب میں صرف دوہی تھے جن کی نسبت اس بحث میں کچھ کہا جاسکتا ہے یعنی پطرس اوریہودا اسکریوتی ۔ پطرس نہ منافق تھے نہ مرتد۔آپ پر سارا الزام یہ ہے کہ آپ نے محمد شریعت تقیہ پر ایک ابتلاکی حالت میں عمل کیا تھاجس سے معاً توبہ کرکے وہ استقلال حاصل کیا کہ اپنے مرشد کی راہ میں آپ مصلوب ہوگئے مگر ہم کو حیرت ہے کہ کوئی مسلمان آپ کی اس لغزش پر زبان کھولے۔ جبکہ تقیہ بہ نص قرآن ثابت ہو۔پھربھی مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ پطرس رسول نے " تین دفعہ اُن پر

لعنت کی" ۔ زیادتی ہے اورانصاراللہ میں سے کسی کی لغزش کی بابت مبالغہ کرنا ایمانداری سے بعید ہے کیونکہ اوّل تو لعنت کا لفظ صرف ایک جگہ لکھا ہے اوروہ جگہ محض انکاردوم" ان پر" لعنت نہیں کی بلکہ خود اپنے اوپر گویا یا کہاکہ اگر میں سچ نہ کہتا ہوں تو مجھ پر لعنت"۔

تواب صرف یہودا کی دغابازی رہ گئی جس نے کیا جو کیا اللہ اکبر۔ مسیح کے مریدوں میں جو صرف ایک دغاباز بھی نکلا تو کیسی جلد وہ توبہ کرکے پھرا اوراسکی تلافی کی کوشش میں اوررفع ندامت میں اس نے آپ اپنی زندگی اپنے اوپرحرام کر ڈالی جو اس کے صدقِ عقیدت کی ایک دلیل ہے۔مسلمانوں میں بعضوں نے فرعون کوبھی ناجی کہا ہے اورعیسائیوں میں بہتوں کے شکوک یہودا کی نجات پر رفع ہوگئے ہیں اوریہ ایک ناگوارحقیقت ہے کہ گو اصحاب محمد صاحب میں ہم سینکڑوں مرتدین اور ہزاروں منافقین گن لیتے ہیں توبھی یہودا کی طرح جلد توبہ کرلینے والا ہم کو ایک بھی نہیں ملتا۔ ہمارے کافربھی مومنین سے بہترنکلے۔

اصلی مرتدین ایسے ہوتے ہیں جیسے عبداللہ بن ابی سرج کاتب وحی تھا جو حضرت عثمان کا عزیزو قریب اور حضرت کا معتمد صحابی وحی کا خزانچی ۔ یاجیسے وہ دوسرا کاتبِ وحی اُسی پایہ کا جس کا ذکر بخاری پارہ چودہ حدیث النس میں آیا جو سورہ بقرہ اورآل عمران کا حافظ تھا۔ کتابِ وحی پر مامور۔

کیا اچھاہوتا کہ مولوی صاحب اپنی عمر صرف مرزائیوں کی اورمقلدین کی تردید میں بسرکرتے جس کے لئے پرانے مسلح خانہ سے آپ نے بہت کچھ سامان جمع کرلیا ہے اورعیسائیوں سے نہ الجھتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے ساتھ آپ بڑی خامی سے مخاطب ہوتے ہیں جس سے انہیں آپ کے ساتھ بحث کرنے کا اشتیاق نہیں رہتا۔

مرزا علام احمد کے فرزند کی وفات

دنیا میں جو کچھ واقع ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی ازلی مشیت کے موافق ہوتا ہے کبھی وہ مشیت انسان کی آرزو کے مطابق پڑجاتی ہے تو اس کو خوشی ہوتی ہے کبھی اُس کی آرزو کے مخالف تب اس کو رنج ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی خدا کا بندہ اپنی آرزو کو الٰہی مشیت کے موافق کرنا سیکھ لیتا ہے بلکہ اپنے لئے کسی آرزو کا رکھنا بھی گناہ سمجھتا ہے جو الٰہی مرضی کے تابع نہ ہو تو اُس کو ہر حالت میں خوشی ہوتی ہے ۔ اگر کوئی پیدا ہو وہ خوش ۔ کوئی مرجائے وہ خوش۔ اپنی زندگی میں وہ خوش اپنی موت میں وہ خوش ۔ تندرستی میں خوش بیماری میں خوش یہی وہ لوگ ہیں جو دل سے کہتے ہیں " خداوند تیری مرضی پوری ہو"۔

لیکن انسان تو بے صبر ہے ۔دنیا میں اُس کی حالت ایسی خام ہے کہ وہ بیشتر الٰہی مشیت سے راضی نہیں رہتا۔ بعض لوگ اپنی خامی کی وجہ سے اپنے دل میں عناد کو جگہ دیتے ہیں ۔ دوسروں کو اپنا دشمن سمجھ لیتے ہیں ۔ اُن کا بُرا چاہتے ہیں ۔ اُن کے رنجوں اور غموں پر شادیانہ بجاتے ہیں اور ایسا کرتے اور کہتے ہیں کہ گویا اُن کے مخالفوں پر جو مصیبت آئی وہ خاص اُن کے بلائے آئی۔ گویا خدا کو کسی جِن کی طرح اُنہوں نے اپنے قابو میں کرلیا جو اُن کی اپنی آرزؤں کے موافق اُن کے دشمنوں پر عذاب کرتا ہے۔

جس طرح دنیا میں بیٹوں کے باپ مرگئے اورباپوں کے بیٹے اُسی طرح بالکل قانون فطرت کے تابع مرزا قادیانی کا فرزند مرگیا۔ نہ وہ کسی کی بدُدعا سے مرا اورنہ اب کسی کی دعا سے جی سکتا ہے ایک بالکل معمولی واقعہ ہے اورجیسا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے اُس کے لئے رنج وافسوس اُس کے عزیزوں کو ہونا بھی لازمی ہے۔ میں خود بھی کئی دفعہ ایسے رنجوں کا تجربہ کرچکا ہوں۔ مگر مجھ کو ایک صاحب کی تحریر سے ضرور صدمہ ہوا ۔ جنہوں نے بجائے اس کے کہ

افسوس کے ساتھ اُس واقعہ کا تذکرہ فرماتے الحمد اللہ کے ساتھ کا ذکرکیا۔ خدا کی حمد توہر حال میں واجب ہے" خدا نے دیا خدا نے لیا خدا کا نام مبارک ہو"۔ مگر الحمد کو کسی دشمن کا دل دکھانے کےلئے دوسرے کی مصیبت پر اپنی خوشی ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرنا حمد کی مناسب قدر نہ پہچاننا ہے۔

غیر انجیلی روایات سے ہم کو سیدنا مسیح کا ایک فرمودہ پہنچا ہے" مبارک وہ جو بے دینوں کی تباہی پر ماتم کرتے ہیں"۔ پس ہم اپنے لئے اوراپنے بھائیوں کے لئے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اس مزاج سے بچائے کہ ہم کسی مخالف کی مصیبت پر زبان سے " خوب ہوا" کہیں یا دل سے خوشی حاصل کریں بلکہ ہم کو توفیق دے کہ ہم اُس کے لئے دعا کریں کہ خدا اس کو تسلی بخشے اور مصیبت کو اس کے لئے برکت بنائے۔

اس وقت ہمارے سامنے اہل حدیث مورخہ ۱۱ اکتوبر اورریویو ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۷ء موجودہیں۔ اور ہم مولوی ثناء اللہ کو معذور سمجھتے ہیں۔ اگروہ اپنے مخالف کے لئے اُسی پیمانے سے ناپ رہے ہیں جس پیمانہ سے اُسے ناپتے دیکھا۔ کیونکہ اُن کے " مباہلے کا اثر" اُن کے حریف کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ گوہم اس کے واقعی اثر کے قائل نہیں کیونکہ جو اُس کا قائل ہواس کو ماننا پڑیگا کہ جب مرزا جی اپنے حق میں کوئی بددعا کرتے ہیں تو وہ مقبول ہوجاتی ہے۔اورہم نہ اُن کی دعا کے قائل نہ اُن کی بددعا کے نہ اُن کی ذات کے لئے نہ کسی غیر کی۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہوتا جاتا ہے اس میں مرزا جی کو دخل نہ مولوی صاحب کو اور نہ ڈاکٹر صاحب کو مشیتِ ایزدی ان سبھوں سے مستغنی ہے۔

یہ تو سچ ہے کہ اس منطق کے موافق جو قادیان کے مدرسہ الہیات میں مدت سے پڑھایا جاتا رہا اُن الفاظ کی

بناء پر جو مرزا جی نے مولوی صاحب کے مقابل استعمال کئے تھے ۔ مولوی صاحب کی فتح ماننی پڑتی ہے۔ اوریہ بھی سچ ہے کہ اگر خدا نخواستہ واقعہ اس کے برعکس ہوتا تو اسی قسم کے شادیانے فتح کے فریق مخالف کے خیموں میں بجتے سنائی دیتے ۔

مگر ہم اس منطق کے قائل نہیں اس لئے ان مباہلوں کے اوراُن کے اثر کے بھی قائل نہیں نہ کبھی رہے اورنہ اب ہوسکتے ہیں ہم اُن خام خیالوں میں نہیں کہ جو دوجھوٹوں میں سے پیچھے مرنے والے کے قائل ہوجائیں۔

ہمارے دل میں اس وقت اورخیالات پیدا ہورہے ہیں اورمرنے والے کے عزیزوں کے ساتھ خالص ہمدردی کے ہیں۔ عزیزوں کی موت دنیا کی بے ثباتی ہمارے ذہن میں جماتی ہے اوردلوں کو نرم کرتی ہے ۔ ہم جس وقت اپنے متوفی وعزیز کے پیچھے آسمان کی طرف تاکتے ہیں تواکثر ایسا نورنظر آجاتا ہے جو اورحالات میں نظرآنا مشکل تھا اورایسے وقت میں ہم کو امید ہوتی ہےکہ عجب نہیں اگر خدا اس فرزند کی موت کو مرزا جی کی کفروفریب سے رہائی کا باعث کردےاوراگرکسی شخص کا کھویا ہوا ایمان اپنے فرزندِ دلبند کے عوض میں مل جائے تو وہ ضرور نعم البدل ہے گویا اس نے ایک نہایت مقبول قربانی خدا کے آگے گذرانی ۔

ریویو ماہ ستمبرسے روشن ہے کہ ۲۷اگست ۱۹۰۷ء کو مرزا جی اپنے بیٹے کی صحت یابی کی قطعی پیش گوئی کی تھی اور ۱۶ ستمبر کو اس کی موت واقع ہوگئی اوراسی تھوڑی سی مدت میں اس کی شادی بھی ہوچکی تھی۔ اب اس میں توکلام نہیں کہ پیش گوئی جس کو الہام سے منسوب کیاتھا باطل ہوگئی اوربُری طرح باطل ہوگئی ۔ اگرلڑکے کو شفا ہوجاتی توکسی کو معتقد ہونے کی حاجت نہ تھی لیکن اب کوئی شخص جو عقل سے کام لیتاہے آپ کے الہام کا قائل نہیں رہ سکتا ۔ پر اب سوال یہ ہے کہ آپ اپنے الہام کے خود بھی قائل ہوسکتے ہیں؟

ہم ضرور تمہارے کفر کے دشمن ہیں۔ ہم کو دل سے یقین ہے کہ تم کذاب ہو مفتری ہو۔ ہم تمہاری نسبت مشتبہ نہیں ہاں ایک زمانہ تھا جب ہم تم کو صرف فریب خوردہ جانتے تھے مگر مدت ہوئی کہ فریبی جاننے لگے لیکن ہم خدا کے کسی بندہ سے مایوس نہیں تم سے بھی نہیں ہم کو آنحضرت کی اس حدیث پر پورا یقین ہے ۔ کہ کبھی انسان ساری عمر دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے ۔ جب دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے تو جنت کے کام کرنے لگتا ہے اور جنتی ہوجاتا ہے۔ ہم تمہارے کفر کے دشمن ہیں لیکن تہارے دشمن کبھی نہیں ہوئے اورہم ہرگز تمہارا دل دُکھانا نہیں چاہتے بلکہ دوستی کے طورپر ایک بات کہتے ہیں شائد اس کے سننے کو تم اس وقت زیادہ تیار ہو۔

جو شخص برابر دعویٰ کرتا رہا ہو کہ" دشمنوں کی موتوں کی خبر مجھ کو ہوجاتی ہے میں اُن کے حق میں پیشن گوئیاں کردیتا ہوں۔ اُن کے حق میں میری دعا تیر بہدف ہے۔ میں مستجاب الدعوات ہوں۔ امریکہ کے مرنے والوں کی مجھ کو خبر، دہلی کے خاندان طبابت میں مرنے والوں کی مجھ کو خبر۔ جو سخت مخالف پلیگ میں مرنے والا ہے اس کی مجھ کو خبر۔آنے والے زلزلہ کی مجھ کو خبر۔ آنے والی وباکی مجھ کو خبر۔ آنے والے قحط کی مجھ کو خبر"۔ جس کے اوپر رویا اورالہام کا دروازہ یوں توپھر اس کو اپنے بیٹے کی موت کا علم کیسے نہ ہوا۔ بجائے موت کی خبر کے اُس کی شفا کی خبر سنا گیا۔ دروازے پر موت کا فرشتہ کھڑا تھا اُسے نہ دیکھ سکے بلکہ مرنے والے کا ایک معصوم کم سن لڑکی کے ساتھ سہرا باندھ کر اُسے رانڈ ہوجانے دیا۔ یہ دیکھ لینے کے بعد بھی کیا وہ شخص اپنے الہام ووحی کا قائل رہ سکتا ہے۔ الہام ووحی تو بڑی چیزیں ہیں معمولی فطری شعورواحتیاط سے بھی اگر کام لیا جاتا توغلط کاریوں کا ایسا لمبا سلسلہ جاری نہ کیا جاتا ۔ ہرگز بُرا ماننے کی بات نہیں۔ اگر کوئی کہے بیٹھے۔

تربرواج فلك چه دانی چیست که نه دانی درسرارےتوکیست

مسیح زمان ہونے کا ولولہ ! اورمستجاب الدعوات ہونے کا دعویٰ !! چھوٹا منہ بڑی بات!!

ذرا سوچو توکیا مسیح کبھی بیمارہوئے تھے؟ کیا کبھی کوئی مریض اپنا یا پرایا اُن کے قدموں پر سے بے شفا لوٹا تھا؟ کس بیمار کے بستر پر وہ بلائے گئے اوراس کو شفائے کلی حاصل نہیں ہوئی ؟ کب انہوں نے قم کہا کہ تن بیجان اٹھ نہ کھڑا ہو۔ کون مردہ اُن کے پاس لایا گیا جو جلایا نہیں گیا۔ کیا کبھی اُن کے لوگوں میں کوئی بیمار کا بیمار رہا۔ کیا اُن کے دوستوں میں سے کسی کو اُن کے موجود ہوتے ہوئے قبر نگل گئی ۔ مبادا کوئی کہتا کل من مات فات۔موت سب پر غالب ہے۔ مسیح پر غالب رہی۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو اپنی ذات پر پورا اختیاربھی بخش دیا کہ وہ جس طرح سے چاہیں اُن کو اپنے اطمینان کے موافق مارڈالیں تاکہ وہ دوبارہ زندہ ہوکر گوراورقبر کے اوپر اپنا اقتدارثابت کردیں۔

خدا رحم کرے مثیلِ مسیح اورمسیح موعود ہونے کا دعویٰ اورتم بیمار۔ جسم کے اوپر حصہ میں بھی اورجسم کے نیچے حصہ میں بھی۔ جیسے دنیا مرتی جاتی ہے بالاتاویل تمہارے مرید اورعزیز بھی مرتے جاتے ہیں ۔ عبدالکریم آپ کا روحانی فرزند مرگیا آپ نے دعائیں کیں اُن کو شفا کی پیش گوئیاں کیں مگر وہ نہ بچا۔ آپ کا فرزند صلبی بیمار پڑا اورمرگیا۔ تم نے دعائیں کیں اورضرورکیں اورکیوں نہ کرتے۔ تم باپ تھے اُس کو مفارقت گوارا نہ ہوسکتی تھی۔ وہ کس کا حکیم کہ تمام جہان کا علاج کرے اوراپنے گھر کو بے علاجی میں چھوڑجائے۔ وہ مرگیا۔ خدا کا حکم اس کے حق میں پورا ہوا۔ تم اس کی بیماری وموت کے حق میں صفر کا اثر بھی نہ رکھتے تھے۔ تم مسیح نہ تھے کہ تم اس کو شفا دیتے ۔ تم مسیح نہیں ہو کہ اب اس کو مردوں میں سے جلالو۔ حالانکہ مسیح نے مرُدے جلائے۔ قبروں میں سےگلے سڑے اٹھادئیے۔

خیر یہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا۔اُن کا مرنا برحق تھا۔ تمہارا جھوٹا ہونا برحق ہے۔ تم بھی مروگے جس طرح ہم بھی مرینگے آگے یا پیچھے ۔ پھر تم کو مسیحیت اور استجابت دعا کا وہم اپنی ذات کے لئے کہاں سے پیدا ہو؟

جو دلیل اس وقت ہم تم کو دے رہے ہیں وہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو صرف ہماری سمجھ کے موافق ہو ورنہ ہم ہرگز اس کا ذکر نہ کرتے کیونکہ ہماری سمجھ تمہاری سی سمجھ نہیں ہے بلکہ ہم کو خوب معلوم ہوگیا کہ یہ وہی دلیل ہے جس کے تم خود قائل ہوچکے ہو اورایک حریف کے مقابل استعمال کرچکے ہو۔پس اگر اب بھی تم اس کے زور کے قائل نہ ہو تو یہ خدا اوربندوں کے سامنے سرکشی ہے۔

ڈاکٹر ڈوئی امریکہ کا ایلیاہ جس کو مستجاب الدعوات ہونے کا بہت بڑا دعویٰ تھا اورجس کے آپ شدت سے منکر تھے آپ نے خود کیسی معقول بات اس کو سنائی تھی۔ ہم آپ کو یاددلاتے ہیں آپ خوب یاد کرلیں اور خدا کے سامنے اپنے دل کوکھول کر اورسر کو سجدہ میں جھکا کر غور کریں۔ اس کو تم ہماری دلیل مت سمجھنا خود اپنی دلیل سمجھو اوراس کے زور کو دیکھو یعنی تم کو اس وقت اپنا قائل ہونا چاہیے۔

ستمبر ۱۹۰۲ء کے ریویو میں صفحہ ۳۴۴ پرآپ نے ڈوئی کی نسبت لکھا تھا۔

" ڈوئی بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھتا ہے کہ میں نے ہزارہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیوں پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کرسکا اوروہ مرگئی اوراب تک اس کے فراق میں روتا ہے اورکیونکر اپنے اُس مرید کی عورت کو اچھا نہ کرسکا جو بچہ جن کر مرگئی اوراس کی بیماری پر بُلایا گیا مگر وہ گذرگئی "۔آپ اس ڈوئی کے مریدوں کی خام خیالی اورخوش اعتقادی پر حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کیونکر اس کی بیہودہ باتوں اورتاویلوں سے اُن کی تسکین ہوجاتی ہے اوروہ اس کے معتقد بنے رہتے ہیں۔ باوجود اس

سخت ناکامی کے ۔ اور آپ کہتے ہیں" امریکہ کے سادہ لوحوں پر نہایت تعجب ہے کہ وہ کس خیال میں پھنس گئے"۔

اب وہی بات ہم تم سے کہہ رہے ہیں۔ کاش تم خود اپنی بات یاد کرواوراس کو سچ جانو اورآئندہ ڈوئی کی سی " بیہودہ باتیں اپن ثبوت میں لکھنا" چھوڑ دواور" سادہ لوحوں" کو اُن کے امریکائی بھائیوں کی نظیر سے عبرت دلاؤ۔ کیونکہ دن ڈھل چکا۔ اب غروب کا وقت ہے۔ صبح کا بھولا اگر شام کو لوٹے تواُسے بھولا نہیں کہتے۔ خدا تمہارے فرزند کی موت کو تمہاری روحانی زندگی کا باعث بنائے اوراُسی کو خوب معلوم ہے کہ کیا ہونے والا ہے اورکیا ہونا چاہیئے۔

شہابِ ثاقب اور قادیانی اپریل فول

اندھیری رات میں آسمان بادل اورگردوغبار سے پاک ہوتا ہے تو اکثر تارے ٹوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی معمولی نظارہ ہے اورہر موسم کا ۔ مگر اکتوبر کے آخر اور نومبر کے شروع میں تارے بڑی کثرت سے ٹوٹتے ہیں۔ جب چاہو آدھی رات کے وقت آسمان کی کسی سمت نظر دوڑاؤ اور تاروں کو ٹوٹنا دیکھ لو۔ کسی کسی موسم میں گھنٹے کے درمیان ۱۲، ۱۴ تک نوبت آتی ہے جو اپنی آب وتاب اورمقدار میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہ تارے دن رات ٹوٹتے رہتے ہیں۔ مگر دن کے تارے سورج کی جوت میں دکھائی نہیں دیتے تاوقتیکہ بہت نورانی نہ ہوں اوررات کو بھی کم روشنی والے چھوٹے چھوٹے تاروں کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں جاتی۔ مگر دن ہو یا رات جب کوئی بہت بڑا تارا غیر معمولی روشنی کا زمین کے قریب ٹوٹتا ہے جس کا چمکارا لوگوں کی

آنکھوں کو دفعتہً آسمان کی طرف اٹھوادیتا ہے تو یہ تماشہ یکبارگی ہزاروں لاکھوں کے دیکھنے میں آتا ہے۔

جب ایسے روشن تارے ٹوٹتے ہیں تو کوئی کہتا ہے کہ کسی بڑے شخص کی روح شکم مادر میں آئی۔ کوئی کہتا ہے کہ کوئی بڑا شخص مرا جس کی روح آسمان کو گئی ۔ قرآن شریف میں ان شہادتوں کا ذکر تین جگہ آیا ہے۔" ہم نے آسمان میں برُج بنائے اوردیکھنے والوں کے لئے اُن کو زینت بخشی اوربچا رکھا اُسے ہر شیطان رجیم سے مگر جو چوری سے سن بھاگا سواُس کے پیچھے لگا انگارا چمکتا" (سورہ حجر ع ۱۲) اُوپر والی مجلس تک)شیاطین) نہیں سن پاتے اُن کو ہر طرف سے (انگارے) مارے جاتے ہیں بھگانے کو اوراُن کے لئے ابدی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی جھپک کے اُچک لایا(خبر)اُس کے پیچھے دہکتا انگارا لگتاہے")صافات ع۱) جنات کہتے ہیں " ہم نے آسمان کو ٹٹولا تواُسے سخت چوکیداروں اور شہابوں سے بھرا پایا اور ہم پہلے آسمان کے ٹھکانوں میں بات سننے کو بیٹھ جاتے تھے پھر اب کوئی سننا چاہے تواپنے لئے آگ کا انگارا گھات میں پاتا ہے"(سورہ جن ع۱) مسلمانوں کو اس کے معنی معلوم ہیں۔

دراصل شہاب کے معنی ہیں انگارا اوران تاروں کو شہاب اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ انگارے کی طرح دہکتے اورچمکتے ہیں۔ عموماً یہ شہاب رات کے وقت بہت اُونچے کرہ ہوا میں نظر آتے ہیں اور وہیں غائب ہوجاتے ہیں۔ زمینیوں کو اُن کا پتہ نہیں لگتا۔ مگر بعض اوقات جب یہ آتشین پتھروں کی شکل میں زمین کے اوپر گرتے ہیں اورلوگوں کے ہاتھ لگتے ہیں تو اُن کو بڑی تعظیم ہوتی ہے۔

وہ پتھر جن کو ہندوستان میں مہادیو کا لِنگ کہتے ہیں اور ہندوؤں کی پرستش کی چیز ہے وہ اپنی اصل میں یہی آسمانی پتھر ہیں جو وقتہً فوقتہً زمین پر آگرے۔ ان آسمانی پتھروں کی قدراورعظمت ہر بُت پرست قوم نے کی ہے۔ شہر افسس میں ایک مشہور مندر تھا ڈائینا دیوی کا۔ اس

میں ایک مورت تھی جس کی نسبت روایت ہے کہ وہ آسمان سے گری تھی اس کا تذکرہ کتاب اعمال میں آیا ہے۔ جگناتھ جی کے مندر میں جو ایک کالا پتھر پجتا ہے اس کی نسبت بھی یہی کہا جاتا ہے کہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ مکہ معظمہ میں جو پتھر ہے۔ حجر اسود ۔ اس کا شمار بھی انہیں آسمانی پتھروں میں ہے۔ جس کو عرب زمانہ جاہلیت میں پوجتے تھے۔ اورجس کی نسبت حاجی برٹن صاحب اپنے سفرنامہ میں بحوالہ ولفورڈ صاحب لکھتے ہیں کہ ہندو اس کو موکش ایشور مہادیو سمجھتے تھے جس کی پرستش اسلام نے بند کرادی۔ لیکن یہی پتھر جب خدا پرستوں کے ہاتھ لگے توانھوں نے اُن سے اور قسم کے کام لئے۔ چنانچہ ۱۶۲۰ء میں شہر جالندھر ملک پنجاب میں ایک پتھر گرا تھا جس کی کیفیت خود بادشاہ جہانگیر نے اپنے قلم سے لکھی انہوں نے اس پتھر کے لوہے سے ایک تلوار بنوائی تھی۔

متفرق شہاب گرتے ہوئے جن کا پتہ زمین پر کچھ نہیں ملتا ہر ایک نے دیکھے ہونگے۔ مگر کبھی کبھی کسی جگہ شہابوں کی بارش ہوجاتی ہے ۔ چنانچہ شمالی امریکہ میں ۱۸۳۳ء نومبر ۱۲، ۱۳، کی رات ۸ ، ۹ بجے گھنٹے لگاتار اس کثرت سے تارے ٹوٹے کہ اُن کی تعداد کا تخمینہ ڈھائی لاکھ بتایا جاتا ہے۔ اوران میں بعض بعض روشنی اور مقدار میں چاند کے برابر معلوم پڑتے تھے۔

لیکن آتشی پتھروں کا گرنا خاص کر دن کے وقت اوربجلی کی طرح چمکنا ایک عجیب وغریب نظارہ ہے جو نوعیت میں تو شہابوں سے جُدا نہیں مگر نادر ہونے کی وجہ سے عوام الناس کو حیرت میں ڈال دیتا ہے جن لوگوں نے خاص طور سے اس کرشمہ قدرت کی حقیقت دریافت کی اُن کا بیان ہے کہ آسمان سے پتھر گرتے وقت جو کیفیات دیکھنے میں آتی ہیں وہ ہمیشہ قریب قریب یکساں ہوتی ہیں۔ آگ کا گولا بہت چمکدار آسمان کے ایک کنارے سے دوسرے

کنارے کی طرف گیند کی طرح دوڑتا نظر پڑتا ہے اگریہ دن کے وقت نمودار ہو تو سومیل تک اس کی چمکار جاتی ہے۔ اوراگر رات کے وقت تواس کی روشنی سے ساری فضا دمک اٹھتی ہے جیسے بان چھوٹے سرُعت کے ساتھ آسمان سے نکل جاتا ہے اورآناً فاناً کل مسافت طے کرکے دفعتہً غائب ہوجاتا ہے ۔ کبھی تو پھوٹتے ہوئے معلوم پڑتا ہے کبھی نہیں۔ پھر اس کے بعد زور وشور کی گڑگڑاہٹ اس تمام خطه میں سنائی پڑتی ہے ۔ جہاں شہاب غائب ہوتے دکھائی دیں۔ اورپھر کبھی کوئی اکیلا پتھر گرا ہوا ملتا ہے کبھی کئی کئی اور بعض اوقات گرے ہوئے پتھروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے۔

پُرانی تاریخ میں ایسے بہت حیرت ناک واقعات درج ہیں۔ لوی رومی مورخ نے لکھا ہے که ۶۵۴قبل مسیح میں ملک اطالیه کے کوه الین پر آسمان سے پتھر گرے تھے۔ پلوطارک یونانی بھی ایک واقعه کا ذکرکرتا ہے که دردانیاں کے اوپر شہر اگسپو نامی ایک بہت بڑا پتھر ۴۷۶قبل مسیح میں آسمان سے گرا جو ۷۹ء تک وہاں موجود رہا جس کو پلینی نے اپنی آنکھ سے دیکھا اوراُس کی نسبت لکھاکه جسامت میں وه ایک گاڑی کے برابر تھا اوراس کا رنگ ایسا تھا جیسے جھلسی ہوئی چیزکا۔ اسی طرح ۹۲۱ ء میں شہر نرفی واقع اطالیه میں ایک چٹان وہاں کے دریا میں گری تھی۔ ملک جرمنی صوبه السس کے گاؤں میں بھی ۱۲۹۲ء میں ایک بھاری پتھر گرا تھا جو سواتین من وزنی تھا۔ جزائر برطانیه میں ۱۶۲۰ء سے آسمان سے پتھر گرنے کے سوله واقعات پایه ثبوت کو پہنچ چکے جن میں ایک پتھر خاص شہر لندن میں گرا تھا۔

گذشته زمانه کے ایسے واقعات کا لوگ اعتبارکم کیا کرتے تھے۔ اکثر ان کو افسانه سمجھتے رہے لیکن ۲۶اپریل ۱۸۰۳ء کو ملک فرانس صوبه نارمنڈی کے شہر لیگل میں سات میل کے طول عرض پر آسمان سے اس کثرت کے ساتھ پتھر گرے اوراس واقعه کی تحقیق حکیمِ وقت بائٹ

نے موقع پر جاکر خود کی اور سرکاری طور سے رپورٹ لکھی تو گذشتہ واقعات پر بھی لوگوں کو وثوق ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ اس مرتبہ کوئی تین ہزار پتھر آسمان سے گرے ہوئے زمین پر چنے گئے جن میں سب سے بڑا ٹکڑا پونے دوپسیری وزن کے قریب تھا۔ پھر ۹ جون ۱۸۶۶ء کو ایک مقام نیا مہنیا میں اسی طرح پتھر برسے اور اسی کثرت سے جمع کئے گئے ۔ اس کے دوبرس بعد پھر پولینڈ کے مقام پلٹسک میں اس سے بھی زیادہ کثرت سے پتھر گرے۔ پھر ۱۰ مئی ۱۸۷۹ء کو امریکہ اِمٹ میں اسی تعداد کے پتھر گرے۔

گذشتہ ۵ سال کے مشاہدہ سے یہ امر دریافت ہوا ہے کہ بڑے بڑے شہاب جن کے پتھر عجائب خانوں میں جمع کئے گئے سات آٹھ ہرسال گرتے ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے شہابوں کی تعداد جن کے پتھروں کا پتہ نہیں لگتا بہت ہی بڑی ہے۔ ڈابری صاحب جو اس فن کے استاد ہیں اُن کے اندازہ کے مطابق ساری دنیا میں چھوٹے بڑے شہابوں کی جن میں زمین پر پتھر گرتے ہیں سالانہ اوسط چھ سات سو تک ہے۔ جب یہ پتھر گرچکتے ہیں تو ان کی پیچھے ایک بادل سا چھوٹ جاتا ہے۔ یادُم سی رہ جاتی ہے جو کبھی صرف چند ساعت اور کبھی ایک ایک گھنٹہ نمودار رہتی ہے اگر گرا ہوا پتھر فوراً دیکھا جائے تو ایسا گرم ہوتا ہے کہ ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوا کہ پتھر انتہا درجہ سرد تھا۔ اکثر اوقات کئی کئی فٹ زمین کے اندر دھنسا ہوا پتھر ملا اور کبھی زمین پر گرتے ہی پاش پاش ہوگیا۔

یہاں صرف ایک واقعہ کی تفصیل کردینا کافی ہوگا۔ ۲ دسمبر ۱۸۷۶ء کو شام کے وقت امریکہ کی کینسس اسٹیٹ میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک چمکدار آگ کا گولا آسمان کے مغربی حصہ میں جہاں اس وقت چاند نمودار ہوا تھا برآمد ہوا۔ اس کی چال کے ساتھ ہی اس کی روشنی بڑھنے لگی اور جو لوگ مکان کے اندر تھے چمکار دیکھ کر نکل پڑے ۔ اسٹیٹ کے شمالی حصہ کے باشندوں کو یہ شہاب آسمان

کے جنوبی حصہ میں مشرق کی طرف دوڑتے نظر پڑا مگرجو لوگ جنوب کی طرف تھے ان کو آسمان کے شمالی حصہ میں دکھلائی دیا ۔ اسی طرح یہ شہاب ۱۱ مختلف اسٹیٹوں میں نظر پڑا اوریہ کیفیت ایک منٹ تک رہی پھر چارپانچ منٹ بعد بھی راستہ میں جس سے ہوکر شہاب گذرا تھا بم کے سے گولے پھوٹتے سنائی دئیے جن کی آواز ایسی تھی جیسے توپ چلے یا بادل گرجے یا پتھریلی سڑک پر خالی گاڑیاں دوڑیں۔گرج اس شدت کی تھی کہ جانوراورآدمی دہل گئے ۔ دریائے مسی سپی کے مشرق شہاب کی راہ میں ۶۰میل کے ارد اگرد یہ آوازیں ہوئیں بلکہ بلومنگٹن میں بھی جو یہاں سے ڈیڑھ سومیل کے فاصلے پر ہے ایسی آوازیں سنائی دیں جن کو لوگ اسی شہاب سے منسوب کرتے ہیں ۔ صوبہ ایلی نوائے کے وسط میں جاکر یہ شہاب چھوٹا اورٹکڑے ٹکڑے ہوکر چالیس میل لمبان اورپانچ میل چوڑان میں ہر طرف بانوں کی طرح بکھر گیا اورجگہ جگہ گڑا گڑاہٹ اورگرج کی آوازیں سنائی دیں جس سے لوگوں کو بھونچال کا گمان ہوا۔ اس شہاب کے متعلق یہ تحقیق پایا ہے کہ جب آسمان میں یہ ساٹھ یا سومیل زمین سے بلندی پر آیا تو نمودار ہوااورتیس چالیس میل کی بلندی پرآکر پھٹا۔

یہ کچھ توہم نے دنیا کے شہابوں کے متعلق ایک عام تذکرہ لکھا مگر خاص ہندوستان میں بھی ایسے پتھر گرچکے جن کا حال دلچسپی سے خالی نہیں مگرموجب طوالت ہے۔ اخبار" ایمپائر" سے ایک مضمون " انڈین ڈیلی ٹیلیگراف " ۳۱ مئی ۱۹۰۷ء میں نقل ہوا اس میں لکھا ہے کہ فرمورصاحب جنہوں نے اس بات میں خاص تحقیقات کی لکھتے ہیں کہ گذشتہ سوبرس کے عرصہ میں ہندوستان میں ۷۱ پتھرآسمان سے گرے جن کی اوسط ہر ۳ برس میں ہوتی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ۱۸۷۸ء میں بستی سے ۱۴ میل کے فاصلے پر بعد دوپہر بجلی اورگرج کے ساتھ پتھر آسمان سے گرا جس وقت پانی بھی برس رہا تھاایک مہوے کے درخت

کے قریب کچھ آدمی کھیت نراتے تھے ایک مرد اورایک عورت جھلس کر مرگئے۔ زمین شق ہوگئی تھی۔ اورپانچ فٹ گہری زمین کھودنے سے پتھر نکالا گیا۔

ملک بنگال شہر مظفر پور سے ۳۰ میل کے فاصلے پرایک گاؤں ہے وہاں بھی اماوس کے روز ۲ دسمبر ۱۸۸۰ء کو چار بجے وقت پہلے توپ کی سی آواز ہوئی اوردھوئیں کے بادلوں کی معمولی کیفیت دیکھی گئی پھر ایک پتھر زمین پر گرا جو اُس وقت سفید رنگ کا اوربہت گرم تھا پھر جب دھویا گیا سیاہ ہوگیا۔ برہمنوں نے اسکو ایک مندرمیں رکھ کر پجوایا اورا سکا نام اب اوہ بہت ناتھ رکھا گیا (حجر اسود کی بابت بھی یہی روایت ہے کہ وہ پہلے سفید تھا اب سیاہ ہوگیا ہے)۔

اسی طرح اپریل ۲۷ء ۱۹۰۵ء کو مقام کرخ میں ایک پتھر گرا تھا دن دوپہر اس واقعہ کو قلات کے پولٹیکل ایجنٹ نے اپنے روزنامچہ میں قلمبند کیا ہے ان کا ہندوستانی نائب درہ مولا کے قریب ایک بجے دن کے وقت گذررہا تھا کہ پاس کے پہاڑوں میں سے پہلے توپ چھوٹنے کی آوازآئی اس کے بعد پھر وہی آوازیں تمام درہ مولا میں نولنگ تک سنائی پڑیں اورپھر ایک ستارہ گیند کی طرح دوڑتا نظر پڑا۔ دوپہر کا وقت تھا اورابھی گرج کی آواز گونج ہی رہی تھی کہ وہ سلگتا ہوا گیند بجھ گیا اوراس کے پیچھے دھوئیں کے بادل رہ گئے جو بڑی لمبی دُم کی طرح معلوم پڑتے تھے اورکرخ کے قریب پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر گرتے ہوئے بھی سنائی دئے۔ اُسی روزمکارہ کے پہاڑوں پر بھی ایک چپٹی چٹان کے اوپر ایک پتھر گرا جس سے چٹان بھی ٹوٹ گئی اورپتھر بھی چارٹکڑے ہوگیا۔

ایک اورواقعہ وہ ہے جو مئی ۱۹۰۷ء میں ضلع غازی پور میں ہوا جس کا تذکرہ اخبار انگلشمین اور پائینیر سے انڈین ڈیلی ٹیلیگراف بابت ۱۸ مئی ۱۹۰۷ء میں درج ہے۔ جمعرات کے روز ۹ مئی کو ڈیڑھ بجے دن کے وقت جب آسمان بادلوں سے صاف تھا گرج اورگڑگڑاہٹ سنائی دی پھر تین مرتبہ توپ سی چھوٹی۔ لوگ سمجھے کے بھونچال آیا۔

پھر آسمان سے آگ کی طرح لال لال گولے گرے ان میں ایک زمین کے اندر دھنس گیا جس کے ٹکڑے کھودکر نکالے گئے ایک کا وزن ۷ سیر ہے۔ اورسارا پتھر شاید ایک من سے زیادہ وزنی تھا ۔ یہ پتھر ایک ایک میل کے فاصلے پر ایک ہی سیدھ میں گرے اورآوازتو میلوں تک سنائی دی ۔

یہ حالات سننے کے بعد یقین ہوجاتا ہے کہ تاروں کا ٹوٹنا، شہابوں کا گرنا اورآتشین پتھروں کا آسمان سے زمین پر ٹپکنا وآشکاروں کے لئے زلزلہ آنے یا آتش فشاں پھوٹنے یا دُمدار تاروں کے نکلنے سے زیادہ حیرت ناک یا ہولناک نہیں۔اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظاموں میں یہ بھی ہیں۔ لوگوں کو حیرت صرف اس لئے ہوا کرتی ہے کہ یہ گرہنوں کی طرح اوقاتِ معلومہ میں ہر سال اور ہر ملک میں ظاہر نہیں ہوتے بلکہ مدتوں میں اوردنیا کے کسی حصہ میں جن کو دیکھنے کے لوگ معمولاً عادی نہیں۔ مگرہم نے سنا ہے کہ مارچ کے آخر پنجاب میں جو دن کے وقت کوئی شہاب دکھلائی دیا جو گذشتہ زمانہ کے شہابوں اورآتشین پتھروں کے مقابل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ اُس کو دیکھ کر بعض نادان دیہاتی خصوصاً قادیان کے " ایماندار" سہم گئے۔ گویااُن کے نزدیک یہ نظارہ ایسا بے نظیر تھا جس کی مثل دنیا نے کبھی نہیں دیکھی۔ انہیں کا وکیل ہوکر ایڈیٹر ریویو لکھتا ہے " ایسے ایسے عجیب حالات اس کے بیان کئے گئے ہیں جو کوئی شخص بیان نہیں کرسکتا کہ پہلے بھی اُس کی آنکھوں نے کبھی دیکھے ہوں"۔ اور سوال کرتے ہیں کہ " ایسے شہاب گرنے کی کوئی پہلے بھی نظیر موجود ہے"؟ ہمارا یہ مضمون انہیں گھبرائے ہوئے سوالوں کا جواب باصواب ہے۔

یہ سوال توجہالت پر مبنی تھا۔ مگر مرزائی اپنی قوم کے نادانوں کو (جن کو کوئی کمی نہیں)ایک فریب دینا چاہتے ہیں چنانچہ قادیانی ریویو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پیر نے" پیش ازوقت" یہ بتادیا تھاکہ " اکتیس مارچ کو ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام لوگوں کو حیرت میں ڈال دیگا۔اورہولناک

ہوگا"۔ اورلوگوں کو باورکراتا ہے کہ وہ نشان یہی شہاب کا گرنا تھا (ریویو اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۵۷) بچارا ایڈیٹر بھی معذور ہے ۔ ہزاروں دفعہ اس کا پیر ایسی پیشگوئیاں کرچکا جیسی اپنی زوجہ آسمانی کے متعلق اوروہ سب جھوٹی نکلتی آئیں۔ جن کے باعث اس کوآوازِ خلق نقارہ خدا نے کذاب کا شرمناک نام دیدیا ۔ جس میں اس کو لاشریک لہ کارتبہ حاصل ہے۔ اس لئے وہ اس فکر میں لگا ہے کہ کسی طرح مرنے سے پیشتر اُس کی بگڑی ہوئی آبروبن جائے ، اس کی کوشش پر ہم کو ترس آتا ہے کیونکہ اُس کو خوب معلوم ہے کہ بخاری شریف میں ابن صیاد کے تذکرہ میں وارد ہوا ہے کہ نبی صلعم حضرت عمر کے ساتھ ابن صیاد کے پاس آئے اوراسے پوچھا ماذا اتریٰ تجھ کوکیا دکھائی دیتا ہے یعنی توکس طرح غیب گوئی کیا کرتا ہے۔ اس نے جواب میں ایک سچی بات کہی۔ قال ابن صیاد یا تینی صادق وکاذب ۔ میرے پاس سچا بھی آتا ہے اورجھوٹا بھی یعنی میرا مخبرکبھی سچ کہہ جاتا ہے کبھی جھوٹ یعنی کبھی میری بات ٹھیک اترتی ہے کبھی باطل ہوتی ہے تواس کا جواب آپ نے دیا۔ خُلطِ علیک الامر تجھ پر بات مخلوط ہوگئی ۔ کیونکہ سچاوہ ہے جو ہمیشہ سچ بولے اورجوکبھی جھوٹ بھی بول جائے وہ سچانہیں اس کو جھوٹا کہتے ہیں۔ پس ایڈیٹرکو فطرتی طور پر تمنا ہے کاش قادیانی کو اتناہی رتبہ مل جائے جو ابن صیاد کو مل چکا تھااوربقولے

گاہ باشد کہ کود کے ناداں

زغلط برہدف زند تیرے

کبھی بھوُلے سے تواس کا کوئی سخن راست نکلے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کیا دراصل اس شہاب کے گرنے کی کوئی پیش گوئی مرزا نے کی تھی (ہم اس بحث کو بھی نہ چھیڑینگےآیا کسی شہاب کا گرنا کسی پیشگوئی کا مضمون بن سکتا ہے ورنہ شہابوں کے لئے پیش گوئیاں ہونی چاہیئں اور۹ مئی کے شہاب کےلئے بھی)۔

ریویو مارچ نمبر آخر ورق پر مرزا کے چند ہذیانات درج ہیں جن کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷ مارچ کی شب کو اس نے کسی کو کچھ بولتے سنا جو بحکم دروغ گورا حافظہ نباشد اس کو صحیح یاد بھی نہ رہا مگر اس کو وھم ہوتا ہے کہ وہ بولی یا تو "۲۵ دن) تھی یا "۲۵ دن تک" یہ الہام تو ہرگز نہیں ورنہ اپنا مقصود ادا کرنے میں قاصر نہ ہوتا۔ اگر کوئی مخبر اس کو کوئی خبر دینے آیا تھا تو اس نے بڑی غلطی کی کیونکہ اس بھلنے نے اس کو بھلادیا۔ دوم جو فقرے اُس نے تراشے وہ مہمل ہیں ان کا مطلب نفی اوراثبات دونوں ہوتا ہے جو ایک جاجمع نہیں ہوسکتے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے" ۲۴میں یا ۲۵دن میں" سوم اگر ہم کسی احمق کا کہنا مان بھی لیں کہ یہ پیش گوئی ہے گومہمل اور زٹل سہی تو فوراً ہم کو قادیانی کا وہ سوبرسوں کا اصراریاد آتا ہے کہ نبوت کا ایک دن ایک سال کے برابر ہوتا ہے اوریوں بات ۲۵ سال یااس سے زیادہ ۵۰یا ۵۰۰ سال تک ٹل گئی۔

غرض کہ آپ کا مخبر تو ایک زٹل ہانک کے چل دیا مگر قادیانی اُس کی کل بٹھالتا ہے اوریہ بھی اس اطمینان سے کہ پیچھے کہہ دونگا کہ الفاظ الہام میں اُس کی صراحت نہیں تھی بلکہ یہ ملہم کو اجتہادی غلطی تعبیر کرنے میں لگی یاکہ یہ دن سے مراد سال ہے۔

آپ کہتے ہیں "۲۵دن کے الہام میں یہ اشارہ ہے کہ ۷ مارچ سے ۲۵دن پورے ہونے کے سر پر ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے ۲۵دن تک کوئی واقعہ ہوگا"۔ یہ تو ہم دکھلاچکے کہ" الہام" کے الفاظ مہمل تھے۔ اب یہ دکھلاتے ہیں کہ اس کی تعبیر کے الفاظ کچھ کم مہمل نہیں۔(۱) اس میں لفظ یانے وقت کے تعین کو باطل کردیا اب عدد بے سود ہے۔(۱۲) اس میں واقعہ کی اوراس کے وقت اور مقام کی خبردینا منظور تھی تو صاف صاف یہ کہنا چاہیے تھا (۳مارچ شام کو پنجاب میں ایک عجیب شہاب گریگا)۔

اب قادیانی کے چیلوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے شمار واعداد کا حساب آپ لگا کر یہ صاف صاف بتلاچکاکہ " اس واقعہ کے ظہور کی یکم اپریل سے امُید رکھی جائے کیونکہ الہام کے رُو سے ۷ مارچ دن کے شمار میں داخل ہے۔ اس صورت میں ۲۵دن مارچ کی ۳۱تاریخ تک پورے ہوجاتے ہیں تو اس طورپر پیشگوئی کے ظہور کا مہینہ اپریل ٹھہرتا ہے"۔اب اس سے غرض نہ رہی کہ اس کے مخبر نے کیا زٹل ہانکی اس میں شک نہ رہا کہ خود قادیانی نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ کوئی واقعہ" یکم اپریل" سے " مہینہ اپریل" میں ہوگا۔ پس جو واقعہ " یکم اپریل سے" پہلے اورمہینہ مارچ میں ہوا چاہے وہ کیسا ہی ہولناک اورحیرت انگیز ہو وہ اس " پیش گوئی" کی تکمیل نہیں ہوسکتا اورجس نے کہا کہ اس کے ظہور کی" ۳۱مارچ کی تاریخ بتائی گئی تھی" اس نے جھوٹ بولا۔ اب یہ بات بہت صاف ہوگئی۔ کہ قادیانی کے گمان کے مطابق " ۲۵دن یا ۲۵دن تک " سے " مراد" مہینہ اپریل" تھی جو " یکم اپریل" سے شروع ہوتا ہے۔ رہاواقعہ سواس کی نسبت بھی وہ صاف صاف کہتا ہے کہ " وہ واقعہ کیا ہے جس کی پیش گوئی کی گئی اس کا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے " مگر اس قدرضرور کہتے ہیں کہ" کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہوگا"۔ ناظرین یادرکھو یہ یا پھر آیا۔ تعجب انگیز اورہولناک نہیں بلکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک۔ پس ایڈیٹر کا یہ لکھنا غلط ہے کہ کہا گیا تھا۔ وہ " تمام لوگوں کو حیرت میں ڈال دیگا۔ اورہولناک ہوگا"۔ پھر لفظ تعجب کی کوئی خاص تعریف نہیں بتائی گئی ۔ ہم کو ایڈیٹر کی بیبا کی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے اُس کے پیر کا کذب تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی خام خیالی تعجب انگیز ہے۔ ان کا مرزا کو مہدی ماننا تعجب انگیز ہے۔ اس کے معجزات کا قائل ہونا تعجب انگیز ہے۔ اس بات پر خفا ہونا تعجب انگیز ہے کہ کوئی اس کو کذاب یا دجال کیوں کہتا ہے۔

اگر اپریل مہینہ میں کسی تعجب انگیز یا ہولناک واقعہ کی خبردی تو لوگ اس سے یہی سمجھ سکتے تھے کہ شاید کسی چوہے کہ پیٹ سے بھینس پیدا ہوگی یا کسی گائے کے عجیب الخلقت بچھڑا پیدا ہوگا یا شائد کوئی آتش فشاں پھوٹے اور بس۔ اگر اپریل کے مہینے میں یہ ہوتا تو تعجب انگیز ضرور ہوتا یا ہولناک ۔مگر آپ نے اس بوجھ یا بوجھول کو زیادہ آسان کردیا۔ یہ فرما کر" ہم بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقعہ ہماری ذات کے متعلق ہے۔ یا ہمارے دوستوں کے متعلق ۔ یادشمنوں کے متعلق۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہیرپھیر کے وہ واقعہ انہیں تینوں میں سے کسی کے متعلق ہے۔ ان سے باہر نہیں۔

اب سوچو (۱) اپریل میں کوئی واقعہ نہیں ہوا جس کو تعجب انگیز یا ہولناک تمہارے ظاہری مفہوم کے موافق کہہ سکیں۔ (۲) ۳۱مارچ کا واقعہ جو" یکم اپریل" سے پیشتر ہو وہ معیاد کے قبل ہے اس کو تمہاری پیش گوئی سے کوئی تعلق نہیں۔(۳)کیونکہ وہ نہ تمہارے متعلق ہے نہ تمہارے دوستوں کے نہ دشمنوں کے متعلق(۴) پس ہر پہلو سے تمہاری پیش گوئی باطل ہوئی۔اوراس کا باطل ہونا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ۔کیونکہ لوگ برابر آج بیس سال سے اس کے عادی ہو رہے ہیں ۔ ہم نے یہ اس لئے کہامبادا ایڈیٹر یہ کہہ دے کہ پیش گوئی کا باطل ہونا بھی ایک واقعہ ہے جو اپریل کے مہینے میں ہوا اورتعجب انگیز ہے اوریہی پیش گوئی کی تکمیل ہوئی۔

مگرہم اب ناظرین کو اس لطیفہ کا مضمون سمجھادیں جو مرزا جی صاحب بالقابہ نے اپنے " الہامات" میں فرمایا " یکم اپریل سے " مراد اپریل فول ہے۔ جو"مہینہ اپریل" میں ہوا کرتا ہے۔ لوگ ہنسی کی جھوٹی خبریں اڑاکر لوگوں کو منتظرکراتے ہیں۔ اورپھر دل لگی اڑاتے ہیں۔ امسال کئی اپریل فول اُڑے۔ جن کا تذکرہ اخباروں میں ہوا۔ یہ اپریل فول قادیان سے اُڑا اورہم مانتےہیں خوب دلی لگی کی۔

اور مرزا کے مزاج میں ظرافت بھی ہے اپنے چیلوں کو خوب بیوقوف بنایا۔ میری نسبت ایڈیٹر صاحب کو یہ شکایت بالکل بے جا ہے کہ "بات بات میں ہنستی ٹھٹھا کرتا ہے"۔ کہ لوگ اس کے مخالف پر ہنسی اڑائیں"۔ ارے میاں! تم خود اپریل فول بنتے ہو۔ ہنستے ہو اور لوگوں کو ہنساتے ہو۔